کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے خوش نصیب ہیں، وہ افراد جنھوں نے اپنے مُستقبل پر غور کیا اور اس چندروزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہوگئی۔

آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامہ اعمل میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حسبِ حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عند اللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں۔

ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیّہ سرگودھا بھی ہے۔ آپ اپنے قومی ادارے جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیّہ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

1. اپنے ذہین و فطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کے لیے ادارہ میں داخل کروا کر۔
2. طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے۔ کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔
3. ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے سیمنٹ، بجری، ریت، اینٹیں وغیرہ مہیّا فرما کر۔
4. ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ ''**دقائقِ اسلام**'' کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔
5. ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کے لیے:

پرنسپل جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا O فون: 0301-6702646

جلد ۱۸ | اکتوبر ۲۰۱۴ء | شمارہ ۱۰

مُدیرِ اعلیٰ : ملک ممتاز حسین اعوان

مُدیر : گلزار حسین محمدی

پبلشر : ملک ممتاز حسین اعوان

مطبع : انصار پریس بلاک ۱۰

مقامِ اشاعت : جامعہ علمیہ سلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ : الخط کمپیوٹرز 0307-6719282

فون : 048-3021536

زرِ تعاون 400 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

فہرست مضامین

اداریہ

سیلاب کی تباہ کاریاں اور ملک کی سیاسی صورتِ حال

اس سال کثرت باراں اور بھارت کی طرف سے دریاؤں میں پانی چھوڑنے سے ملک بھر میں سیلاب کی شدید صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے۔ مختلف اضلاع ناروال، سیالکوٹ، گجرات، سرگودھا، جھنگ، چنیوٹ، ملتان، مظفر گڑھ کے متعدد دیہات زیر آب آگئے ہیں، کھڑی فصلیں تباہ ہوگئی ہیں، مویشی ہلاک ہوگئے ہیں اور بہت سی قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوگئی ہیں، ہزاروں افراد بے گھر ہوگئے ہیں، سینکڑوں مکانات منہدم ہوگئے ہیں۔ یہ صورتِ حال ذمہ دار حکام اور حکومتی اداروں کی بروقت پلاننگ نہ کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ موسم برسات سے قبل ہی ان تمام امور سے نمٹنے کے لیے انتظامات کو آخری شکل دینی ضروری ہوتی ہے...... اب جبکہ سیلاب نے پورے ملک میں تباہی مچادی ہے، صاحبانِ اقتدار، حزب اختلاف اور تمام رفاہی اداروں کو مل کر مصیبت کی اس گھڑی میں سیلاب زدگان کی دل کھول کر مدد کرنی چاہیے اور مصیبت زدگان کے لیے خوراک مال مویشیوں کے لیے چارہ اور بے گھر افراد کے کیمپ لگائے جائیں، اور وسیع پیمانے پر امدادی کارروائیاں کی جائیں...... مخیّر حضرات تاجر اور قومی رہنما ہنگامی طور پر ان حالات پر قابو پانے کے لیے فعالیت کا مظاہرہ کریں۔

ایک طرف سیلاب نے تباہی مچادی ہے تو دوسری طرح تحریک انصاف اور ڈاکٹر طاہر القادری کے دھرنوں نے ملک میں معاشی بدحالی پیدا کردی ہے۔ ان سیاسی رہنماؤں کو ہوش کے ناخن لینے چاہییں اور آئین وقانون کی حدود میں رہ کر احتجاج کرنا چاہیے۔ حکومت وقت نے حالات کو بہتر بنانے کے لیے بہت سا وقت ضائع کردیا ہے۔ اگر سیاسی مخالفین کی شکایات کو بروقت سنا جاتا اور ان کے جائز مطالبات مان لیے جاتے تو یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔ جمہوری روایات کو قائم رکھنے کے لیے عوامی اور سیاسی رہنماؤں کی تنقید برداشت کرنا اور جائز شکایات دور کرنا ضروری امور ہیں۔ حکمران جماعت کو زبانی دعووں کی بجائے عملی اقدام کرنے کی ضرورت ہے، دہشت گردی، مہنگائی، بے روزگاری اور لاقانونیت کے خاتمے کے لیے موثر اقدامات کی ضرورت ہے۔

حکمران خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات وفرمودات کی روشنی میں حکمرانی کے فرائض انجام دیں۔ سادگی، کفایت شعاری اور قناعت پسندی کے شعار کو اپنائیں اور ملک خداداد کی ترقی وخوشحالی کے لیے محنت واخلاص سے کام کریں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستانی عوام کو مل جل کر رہنے اور ملکی ترقی وخوشحالی کے لیے کوشاں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

باب العقائد

سجدۂ تعظیمی کا ناجائز ہونا

از روئے قرآن کریم، ارشاداتِ معصومینؑ اور عمل سرکار محمدؐ وآلِ محمدؑ کی روشنی میں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

سجدۂ تعظیمی کا ناجائز ہونا

چونکہ رسالہ اعتقادیہ میں غیر خدا کے لیے سجدۂ تعظیمی کا ضمناً ذکر آگیا ہے اور یہ ایک عامۃ البلویٰ مسئلہ ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر یہاں کچھ تبصرہ کردیا جائے۔ سو مخفی نہ رہے کہ سجدۂ تعبیدی (عبادتی) کے غیر خدا کے لیے ناجائز ہونے پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ حضرت غفران مآب اور فخر الدین رازی وغیرہ علماء فریقین نے اس کا ادعا کیا ہے۔ ہاں غیر اللہ کے لیے جب کہ وہ غیر اللہ دینی یا دنیوی بالخصوص پہلے اعتبار سے عظیم المرتبت ہو تو اس کے لیے سجدہ تعظیمی کرنے کے جواز یا عدم جواز میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ مگر تمام شیعہ علمائے محققین اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم و احادیث سید المرسلینؐ، ارشاداتِ ائمہ طاہرینؑ اور عقل سلیم سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

سجدۂ تعظیمی کا عدمِ جواز

از روئے قرآنِ کریم

قرآن مجید سے اس سجدہ کے عدم جواز کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ قرآن میں علی الاطلاق جہاں بھی سجدہ کا حکم ہے، وہاں خدا کے لیے ہے (الا فی موضعین سیأتی توضیحھا) جیسے: "فاسجدوا للہ" اللہ کے لیے سجدہ کرو۔ اور "وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" (سورۃ رعد: ۱۵) آسمان وزمین کی مخلوق خدا کے لیے سجدہ کرتی ہے۔ "فاسجدوا للہ و اعبدوہ" خدا کے لیے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ لہٰذا از روئے قرآن ہر قسم کا سجدہ خواہ وہ تعبیدی ہو اور خواہ تعظیمی، ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ مختص ہے۔ نیز مندرجہ ذیل آیت مبارکہ ہر قسم کے سجدہ کے ذات ایزدی کے ساتھ مختص ہونے پر بطور نص صریح دلالت کرتی ہے۔ ارشادِ قدرت ہے: "وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا" (سورۃ جن) "یقیناً سجدہ گاہیں اللہ کے لیے ہیں۔ پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو"۔

تفسیر صافی صفحہ ۵۱۳ میں بحوالہ من لایحضرہ الفقیہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے، فرمایا: "المساجد سے مراد اعضائے سجدہ ہیں۔ یعنی پیشانی، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، اور پاؤں کے دونوں انگوٹھے"۔

اسی مضمون کی روایات اصول کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور تفسیر عیاشی میں امام محمد تقی علیہ السلام سے مروی ہیں۔ نیز تفسیر قمی میں بھی یہی مضمون موجود ہے۔

محقق شیخ بہائی علیہ الرحمہ اربعین میں بذیل شرح حدیث ہفتم لکھتے ہیں: "معتصم عباسی نے حضرت امام

علیہ السلام سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا۔ آپؑ نے فرمایا: "و معنی فلا تدعوا مع اللہ احدا، فلا تشرکوا معہ غیرہ فی سجودکم علیہا"۔ یعنی "فلا تدعوا مع اللہ احدا" کا مطلب یہ ہے کہ ان اعضا پر سجدہ کرنے میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو"۔

سجدۂ تعظیمی کا عدمِ جواز
از روئے احادیث سیّد المرسلینؐ

جو امر قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے احادیث نبویہؐ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ بکثرت روایات میں اس تعظیمی سجدہ کی خصوصی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ بنا بر اختصار دو تین واقعات و روایات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) اصول کافی میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی سوسمار کو بغل میں دبائے ہوئے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا: اے محمدؐ! اگر میری یہ سوسمار بول کر آپ کی نبوت کی شہادت دے دے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت سوسمار باعجازِ نبوت گویا ہوئی اور فصیح عربی میں کہا: "اشھد انک رسول اللہ و خاتم النّبیین" اعرابی نے کلمہ شہادت پڑھا اور عربوں کے دستور کے مطابق چاہا کہ آنحضرتؐ کو سجدہ کرے۔ مگر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر غیر خدا کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ اسے سجدہ کرنے سے روک دیا۔

پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی بزرگ و برتر ہستی کو جو "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کی مصداق ہے، حین حیات میں سجدہ تعظیمی جائز نہیں، تو پھر کسی اور بزرگ کو اور وہ بھی بعد از مرگ کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

یہ خیال بھی نہ کیا جائے کہ شاید وہ اعرابی آپؐ کو سجدہ عبادتی کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہ خلافِ ظاہر ہے۔ وہ ابھی ابھی کلمہ توحید پڑھ چکا تھا، لہٰذا واضح ہے کہ وہ آنحضرتؐ کو معبود نہیں سمجھتا تھا، بلکہ نبی و رسول ہی سمجھتا تھا۔ لہٰذا اس کا یہ اقدام یقیناً سجدہ تعظیمی پر ہی محمول ہوگا۔

(۲) ایک مرتبہ ایک صحابی نے آپؐ کو سجدہ کرنے کی خواہش کی۔ آپؐ نے اس کو ممانعت کرتے ہوئے فرمایا: "فلا تسجد لی و اسجد للحی الذی لا یموت"۔ "تم مجھے سجدہ نہ کرو بلکہ سجدہ کو اسی ذات کے لیے مخصوص رکھو جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے اور جس کے لیے کبھی فنا اور موت نہیں ہے۔ (دیلمی، کنز العمال)

(۳) اسی بنا پر آپ دعا میں فرمایا کرتے تھے: "اللھم لا تجعل قبری وثنا یُعبد" اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کی پوجا کی جائے۔ (مؤطا مالک و ششم بحار)

سجدۂ تعظیمی کا عدمِ جواز
از روئے ارشاداتِ معصومینؑ

اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ کئی مرتبہ بعض لوگوں نے ائمہ طاہرینؑ کو سجدہ تعظیمی کرنا چاہا۔ مگر معصومینؑ نے بڑی شدت اور سختی کے ساتھ ان کو اس کی ممانعت فرمائی۔ چنانچہ جناب شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ نے مفاتیح الجنان میں بذیل زیارت ہفتم جناب امیرؑ بحوالہ کتاب فرحۃ الغری مؤلفہ سید اجل عبد الکریم بن طاؤسؒ ایک طویل روایت درج فرمائی ہے، جس میں جناب

ابوحمزہ ثمالی کا مسجد کوفہ میں امام ہمام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہونا مذکور ہے۔ ابوحمزہ بیان کرتے ہیں: "پس خود را انداختم روئے قدمہائے آنحضرتؑ بوسیدم آنرا کہ آنجناب نگزاشت و با دستِ خود سرم را بلند کرد و فرمود مکن سجود نشاید بگر برائے خداوند عالم عزوجل"۔ "میں آپؑ کے پاؤں پر گر گیا (جس سے سجدہ کی شکل بن گئی) اور چاہا کہ آپؑ کے قدم مبارک کو بوسہ دوں۔ مگر آنجنابؑ نے مجھے ایسا نہ کرنے دیا اور میرے سر کو اپنے دستِ حق پرست سے بلند کر کے فرمایا: "ایسا نہ کرو۔ سجدہ سوائے خداوند عالم کے اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے"۔

ظاہر ہے کہ جناب ابوحمزہ مومن وموحد تھا۔ وہ یہ اقدام امام کو معبود سمجھ کر تو نہیں کر رہا تھا، بلکہ بغرض تعظیم وتکریم ہی ایسا کرنا چاہتا تھا۔ مگر امام عالی مقامؑ نے اس کی بھی ممانعت کر کے اس کے عدم جواز پر نص قائم کر دی۔ پس جب خود ذاتِ امام عالی مقام کو سجدہ تعظیمی روا نہیں ہے تو ان کے قبور مقدسہ کو کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

بعض روایات میں وارد ہے کہ ایک جاثلیق (پادری) نے حضرت امیرالمومنینؑ کی شخصیت سے متاثر ہو کر آپؑ کو سجدہ کرنا چاہا۔ جناب نے اسے منع کرتے ہوئے فرمایا: "اسجد للہ تعالیٰ و لا تسجد لی" خداوند عالم کو سجدہ کر اور مجھے سجدہ نہ کر۔ (عمادالاسلام جلد ا صفحہ ۳۳۵)

بعض دعاؤں میں ہر قسم کے سجدہ کو خداوند عالم کی ذات کے ساتھ مختص قرار دے کر غیر اللہ کے لیے اسے ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ دعا جو سرکار سید الشہداء علیہ السلام کی دو رکعت نمازِ زیارت کے بعد پڑھی جاتی ہے، اس میں وارد ہے: "اللھم انی لک صلیت و لک رکعت و لک سجدت وحدک لا شریک لک فانہ لا تجوز الصلوٰۃ و الرکوع و السجود الا لک لانک انت اللہ الذی لا الہ الا انت"۔ (مفاتیح الجنان وغیرہ) "بارِالٰہا! میں نے یہ نماز تیرے ہی لیے پڑھی ہے، اور یہ رکوع اور سجود تیرے ہی لیے کیے ہیں۔ کیونکہ سوائے تیرے اور کسی کے لیے نماز، رکوع اور سجود جائز نہیں ہے"۔

چونکہ امام عالی مقام کے مشہدِ مقدس میں نماز پڑھنے سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید یہ رکوع وسجود امام کے لیے کیا جا رہا ہے، اس لیے معصومینؑ نے حکم دیا کہ اس شبہ کا یہ دعا پڑھ کر ازالہ کر دو۔ پس اگر سجدہ تعظیمی غیر خدا کے لیے جائز ہوتا تو دعا میں علی الاطلاق ہر قسم کے رکوع وسجود کو ذاتِ خداوندی میں منحصر نہ کیا جاتا۔ جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غیر اللہ کے لیے کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں ہے۔ وھو المقصود و قد حصل بعون اللہ الودود۔

سجدۂ تعظیمی کا عدمِ جواز از رُوئے عقل سلیم

عقل سلیم کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ کسی بھی قسم کا سجدہ غیر خدا کے لیے جائز نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ سجدہ سے بندے کی انتہائی عاجزی اور تذلل وانکساری ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی عاجزی وفروتنی کا اظہار سوائے خالق جبار کے اور کسی بزرگ کے لیے جائز نہیں ہونا چاہیے۔ جب کسی قسم کی عبادت غیر خدا کے لیے جائز نہیں تو سجدہ جو "رأس العبادۃ" ہے، وہ کیونکر روا ہو سکتا ہے؟ اگرچہ

آیات و روایات پیش کرنے کے بعد علمائے اعلام کا کلام نقل کرنے کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں رہتی ۔ مگر مزید اطمینانِ قلب کے لیے یہاں بعض اعلام کا کلام بھی پیش کیا جاتا ہے ۔

① عالم ربانی شیخ محمد علی اصفہانی تحفہ امامیہ جلد ا صفحہ ۷۳ میں رقمطراز ہیں: "و اما سجود از برائے خیر خدا مطلقاً بهر قصد باش و قصد عبادت هم نکند آن سجود شرك فعلی است و سجودِ خلق بغیر ذات الٰهی جائز نیست و شرك است"۔

② حجۃ الخاصہ علی العامہ علامہ السید دلدار علی معروف بسرکار غفران مآب اپنی تصنیف لطیف "عماد الاسلام" جلد ا صفحہ ۲۰۵ طبع لکھنؤ پر رقمطراز ہیں: "ان السجدة لا تجوز لغير الله تعالى مطلقاً و ان كانت بنية التعظيم للانبياء مثلا لانعقاد الاجماع على حرمتها مطلقاً"۔ سجدہ کسی صورت میں بھی غیر خدا کو جائز نہیں ہے اگر چہ بقصد تعظیم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کی حرمتِ مُطلقہ پر اجماع قائم ہے ۔

حضرت غفران مآبؒ کے کلام حق ترجمان سے واضح وعیاں ہوتا ہے کہ غیر خدا کے لیے سجدہ کی حرمت میں تمام علماء کا اتفاق ہے، بعدازیں بھی اگر کوئی نیم ملا اس کا جواز کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے تو وہ اپنی جہالت وضلالت کا ثبوت فراہم کرتا ہے، اس کے عدم جواز پر اس کی کٹ حجتیوں سے کچھ اثر نہیں پڑتا ۔ والحق احق ان یتبع ۔

ایک عظیم شُبہ کا ازالہ

جو لوگ سجدۂ تعظیمی کو غیر خدا کے لیے جائز سمجھتے ہیں ، وہ بموجب : "والذين فی قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاويله" عموماً حضرت آدمؑ کو ملائکہ کے سجدہ کرنے ، نیز حضرت یوسفؑ کو ان کے والدین اور ان کے بھائیوں کے سجدہ کرنے سے تمسّک کیا کرتے رہتے ہیں ۔ یہ استدلال بچند وجہ غلط ہے ۔

اولاً: یہ آیتیں مجمل ہیں ۔ ان سے یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ یہ سجدہ تعبیدی تھا یا تعظیمی ۔ یا ان حضرات کو قبلہ سمجھ کر خدا تعالیٰ کا سجدہ کیا گیا تھا ۔ یا ان کی تقلید و تاسی میں کیا گیا تھا ۔ بایں طور کہ حضرت آدمؑ اور حضرت یوسفؑ نے پہلے بطور شکر نعمت الٰہی سجدہ کیا ۔ پھر ملائکہ اور والدین و برادرانِ یوسف کو بھی ان کی تاسی کا حکم دے دیا گیا ۔ یا یہ سجود مُطلق انحناء (جھکنے) کے معنی میں ہے ۔ جیسا کہ عجمیوں میں تاحال رواج ہے کہ وہ بزرگوں کی جھک کر تعظیم کرتے ہیں، تو جن آیات میں اس قدر احتمالاتِ کثیرہ موجود ہوں ، ان سے کسی مقصد کے اثبات پر استدلال کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

"اذا قام الاحتمال بطل الاستدلال" ۔

ثانیاً: ہم کہتے ہیں کہ یہ سجدہ خداوند عالم کی ذات کے لیے تھا ۔ مگر جناب آدمؑ و یوسفؑ کو محض قبلہ قرار دیا گیا تھا ۔ بنا بریں "اسجدوا لآدم او خروا له سجدا" میں "لام" بمعنی "الیٰ" ہے ۔ اور عربی زبان میں "لام" بمعنی "الیٰ" استعمال ہوتی رہتی ہے ۔ چنانچہ حسان بن ثابت صحابی کے ان اشعار میں جو حضرت امیرؑ کی مدح میں ہیں "لام" بمعنی "الیٰ" ہے ۔ ے

ما كنت احسب ان الامر منصرف
عن هاشم ثم عنها عن ابی حسن

الیس اول من صلی لقبلتکم و اعرف الناس بالقرآن و السنن

یہاں ''لقبلتکم'' میں جو لام ہے یہ بمعنی ''الیٰ'' ہے۔ یعنی ''الیٰ قبلتکم''۔ بعض احادیث اہل بیتؑ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حیات القلوب جلد۱ صفحہ ۴۴ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: ''نبود سجدۂ ایشان از برائے آدم بلکہ قبلۂ ایشان بود از برائے خدا سجدہ می کردند و امر نمود حق تعالیٰ کہ بجانب او رو آورند''۔ یعنی ملائکہ کا یہ سجدہ حضرت آدمؑ کے لیے نہ تھا بلکہ سجدہ تو خدا کے لیے تھا البتہ حکم خدا سے آدمؑ کو قبلہ بنایا گیا تھا۔ بہت سے علمائے اعلام نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

ثالثاً: اگر اس سجدہ کو تعظیمی بھی قرار دیا جائے جیسا کہ بعض احادیث سے مترشح ہوتا ہے، تاہم اس سے ہمارے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ جن شریعتوں میں یہ جائز تھا اب وہ شرائع منسوخ ہو چکے ہیں۔ لہٰذا منسوخ شدہ شریعت کے کسی عمل سے اس شریعت کے کسی مسئلہ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، جو تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ چنانچہ تفسیر معالم التنزیل بغوی اور اسباب النزول سیوطی اور ہماری تفسیر بے نظیر لوامع التنزیل جلد اول صفحہ ۱۸۹ میں تصریح موجود ہے کہ سابقہ شرائع میں تعظیمی سجدہ جائز تھا۔ مگر اسلام میں اسے منسوخ کر دیا گیا اور اس کی جگہ ''سلام'' مقرر ہوا۔ ارشادِ قدرت ہوتا ہے:

''وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا'' (النساء:۸۶)

صاحب لوامع التنزیل فرماتے ہیں: ''این سجدہ تعظیمی در امم سلف جاری و ساری الیٰ نزول ''و اذا حییتم بتحیۃ'' بود۔ پس بسبب آن بجائے آن سلام مقرر شد''۔ یعنی آیت مبارکہ ''و اذا حییتم'' کے نزول تک سابقہ امتوں میں سجدۂ تعظیمی کا رواج تھا مگر اس آیت کے بعد وہ منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ سلام مقرر ہوا۔

اسی طرح علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی افادہ فرمایا ہے۔ حیات القلوب جلد۱ صفحہ ۴۶ طبع نولکشور پر مباحث طویلہ کے بعد لکھتے ہیں: ''پس ظاہر شد کہ سجدہ از برائے غیر خدا بقصد عبادت کفر است و بقصد تعظیم بدون امر خدا فسق است، بلکہ محتمل است کہ سجدۂ تحیت در امم سابقہ مجوز بودہ باشد و در یں امت حرام شدہ باشد و احادیث بسیار بر نہی از سجدہ از برائے غیر خدا وارد شدہ'' یعنی غیر خدا کو بقصدِ عبادت سجدہ کرنا کفر ہے اور اگر بقصد تعظیم ہو تو بھی بغیر امر خدا موجب فسق ہے۔ احتمال ہے کہ بعض سابقہ امتوں میں یہ سجدہ جائز ہو۔ مگر اس امت میں اسے حرام قرار دے دیا گیا ہو۔ غیر خدا کو سجدہ کرنے کی ممانعت کے متعلق بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں''۔

ولا ینبئک مثل خبیر

باب الاعمال

بدعت اور ذاتی رائے وقیاس پر عمل کرنے کی خرابیاں اور تباہ کاریاں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

اگر چہ دینی معاملات میں ذاتی رائے وقیاس اور بدعت پر عمل کرنے میں اس قدر دینی و دنیوی خرابیاں ہیں کہ جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ مگر بطور نمونہ مشتے از خروارے ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ اس کی چند تباہ کاریوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

لیہلك من هلك عن بينة ويحيى من حی عن بينة

یہ خدا کے دین سے بغاوت ہے

ہر حکومت کے کچھ قوانین و آئین ہوتے ہیں، جن کی پابندی رعایا پر لازم ہوتی ہے اور کوئی حکومت ان کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتی۔ مثلاً اگر کوئی پاکستان پاکستان کے اندر رہ کر کسی اور ملک کی کرنسی چلانا چاہے تو یہ قانونی جرم ہوگا۔ یا کوئی پاکستانی سپاہی کسی اور ملک کی وردی پہن کر ڈیوٹی پر حاضر ہو تو یہ قابلِ تعزیر جرم متصوّر ہوگا۔ تو بلا تشبیہ خدا کے ملک اور اس کے دین اسلام میں رہ کر اس کے متعین کردہ اور رسولؐ کے بیان کردہ طریقہ عبادت واطاعت میں ذاتی رائے وقیاس اور ذاتی پسند وناپسند سے کسی قسم کا تغیّر وتبدل کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ اور جو کام سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ اور ان کی سیرت طیبہ سے ہٹ کر کیا جائے، وہ کیونکر اور کس طرح قابلِ قبول ہوسکتا ہے؟ یہ خدا کے دین سے کُھلم کُھلا بغاوت کے مترادف ہے۔

اس سے لازم آتا ہے کہ دین مکمل نہیں ہے

بدعتی حضرات کے لیے دو ہی راستے ہیں، یا تو دین اسلام کو کامل و مکمل دین کہنا چھوڑ دیں (اور اس طرح قرآن کو جھٹلا کر اسلام سے نکل جائیں) اور اگر دین اسلام کو واقعی کامل و مکمل دین جانتے و مانتے ہیں (جس کی شہادت قرآن کریم ان الفاظ میں دیتا ہے: "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" تو پھر بدعت اور ذاتی رائے و قیاس پر عمل کرنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ عبادات واعمال کے نئے طریقے ایجاد کرنے سے تو لازم آتا ہے کہ دین اسلام مکمل نہیں ہے بلکہ اس کی تکمیل آج ہو رہی ہے۔

اس سے لازم آتا ہے کہ رسولؐ نے خیانت کی ہے (معاذاللہ)

بدعت اور رائے وقیاس پر عمل کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اگر دین اسلام مکمل ہے تو پھر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پہنچانے میں خیانت کی ہے (معاذ اللہ) کہ انھوں نے خدا کا بنایا ہوا دین بے کم و کاست لوگوں تک پہنچایا نہیں ہے، بلکہ تبلیغ رسالت

میں کوتاہی کی ہے۔ اس لیے لوگوں کو دین میں بدعات ایجاد کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔

اسی بنا پر بعض بزرگوں کا یہ کہنا ہے کہ جو شخص بدعت ایجاد کرتا ہے تو وہ گویا جناب رسولِ خداﷺ پر خیانت کا الزام عائد کرتا ہے کہ انھوں نے پوری شریعت نہیں پہنچائی...... لیکن اگر رسولؐ تبلیغ رسالت میں خیانت نہیں کر سکتے (اور یقیناً نہیں کر سکتے) تو پھر بدعت اور ذاتی رائے وقیاس کا کیا جواز ہے؟

اس سے تحریف دین کا راستہ کھلتا ہے

اگر اپنی طرف سے عبادات یا اس کے حدود و قیود اور شرائط وضوابط اختراع کرنے کو جائز قرار دے دیا جائے تو اس سے دین اسلام میں تحریف کا راستہ کھل جائے گا۔ اور اس طرح شریعت مقدسہ کا مقدس حلیہ بگڑ جائے گا۔ گزشتہ امتوں میں تحریف دین کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ انھوں نے خدائی کتابوں اور نبیوں کے بتائے ہوئے طریقوں میں تغیّر وتبدل کر کے عبادات کے نئے نئے طریقے ایجاد کر لیے اور رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ اصل اور نقل (نو ایجاد) میں امتیاز ختم ہوگیا۔ حالانکہ دین میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لا تبدیل لخلق الله...... ولن تجد لسنة الله تبدیلا۔ (سورۃ الاحزاب: ۶۲)

چنانچہ حضرت رسولِ خداﷺ فرماتے ہیں:

لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی یَکُوۡنَ ھَوَاہُ تَبۡعًا لِمَا جِئۡتُ بِہٖ

''کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا، جب تک اس کی خواہش اس شریعت کے تابع نہ ہو جو میں لے کر آیا ہوں''۔ (مشکوٰۃ کتاب الایمان)

اور جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسولِ خداﷺ نے فرمایا:

لا قول الا بعمل ولا عمل الا بنیة ولا نیة الا باصابة السنة

''کوئی قول نہیں مگر عمل کے ساتھ اور کوئی عمل نہیں مگر نیت کے ساتھ اور کوئی عمل اور کوئی نیت نہیں مگر تب کہ جب سُنّتِ نبویہ کے مطابق ہو''۔

(بحار جلد ۱، وسائل جلد ۱)

عوام کی حالتِ زار

مگر بایں ہمہ روزمرہ کا مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر نام نہاد مُسلمان واہل ایمان اپنی اختراعی اور غیر شرعی رسوم و عادات کی قیود میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ اس طرح واجبات وفرائض کو بھی باقاعدگی سے ادا نہیں کرتے جس دھوم دھام سے ان رسوم کو ادا کرتے ہیں۔ اور اگر کبھی کوئی رسم ترک ہو جائے تو اس طرح کسی واجب کے قضا ہو جانے کا افسوس نہیں کرتے جس طرح اس رسم کے رہ جانے کا غم مناتے ہیں۔ خدا و رسولؐ کی ناراضی مول لے لیتے ہیں۔ مگر رسم ورواج کے ترک کرنے سے معاشرہ میں ان کی جو ہیٹی ہوتی ہے اسے گوارا نہیں کرتے۔ محض اس غلط جذبہ کے تحت کہ برادری میں ساکھ رہ جائے اور ناک نہ کٹ جائے۔ ان گنت مُصیبتیں جھیلتے ہیں، پھر بھی غنیمت ہے کہ بعض اسے گناہ سمجھ کر بجالاتے ہیں۔ گو کہ وہ اپنے آپ کو مجبور و معذور ظاہر کرنے کے لیے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودی اور کمزور تاویلیں پیش کیا کرتے ہیں۔

لیکن اکثر لوگ تو اس سیلاب میں کچھ اس طرح بہہ گئے ہیں کہ وہ گناہ کو گناہ بھی نہیں جانتے، بلکہ اسے نہ صرف مباح بلکہ بعض اوقات اسے اطاعت وعبادت کا درجہ دیدیتے ہیں۔(العیاذ باللہ)...... سچ ہے ؎

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

اور بعض عوام کالانعام تو اس سلسلہ میں اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ جو شخص ان بدعات ورسومات کی ادائیگی و بجا آوری میں ان کا ساتھ نہ دے یا ان کو روکے ٹوکے الٹا اس پر فتوے لگاتے ہیں اور اسے خارج از ایمان بلکہ خارج از اسلام ٹھہراتے ہیں۔ گویا خداوند عالم ایسے ہی لوگوں کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ (سورۃ الاعراف:۲۸)

''اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس طریقہ پر پایا تھا۔ اور خدا نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دو کہ خدا بے حیائی کا ہرگز حکم نہیں دیتا۔ آیا تم خدا کے خلاف وہ بات کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں ہے''۔

خواص کی کیفیّت زار

اور جہاں تک نام نہاد خواص (پیر صاحبان، مولوی صاحبان اور سردار صاحبان) کی اکثریت کا تعلّق ہے تو اگر بہ نظر غائر حالات وواقعات کا جائزہ لیا جائے تو ان کی کیفیّتِ زار عوام کی حالتِ زار سے بھی بدتر نظر آتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اپنے ذاتی مفادات کی آہنی زنجیروں میں کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ کبھی بھی رائے عامہ کی مخالفت کرکے اور عوام کو ناراض کرکے اپنے مفادات کو قربان کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے مفادات کے تحفظ، جھوٹے وقار کی بقاء اور عامۃ الناس میں سستی شہرت و مقبولیت حاصل کرنے کی خاطر عوام کی ہاں میں ہاں ملانے اور قرآن وحدیث کو توڑ موڑ کر عوامی جذبات و خیالات اور ان کی مُروّجہ رسوم وعادات کی تائید مزید کرنے میں اپنی ہر دلعزیزی اور کامیابی کا راز مُضمر جانتے ہیں۔ بقول اقبال: ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ خواص (بالخصوص وارثانِ منبر ومحراب) اپنی شرعی ذمہ داریوں کو سمجھتے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آواز حق بلند کرتے اور قرآنی حقائق اور شرعی دقائق کو بغیر خوفِ لومہ لائم برملا بیان کرتے تو یہ حالات رونما نہ ہوتے بلکہ ہمارا اسلامی معاشرہ جنت الفردوس کا نمونہ پیش کرتا، اور اعتقادی و عملی کج روی کا نام ونشان مٹ جاتا۔ مگر افسوس ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

علماء حق کی ذمہ داری اور اس سے عہدہ برآری

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مُسلمانوں کو جس قدر

نقصان و زیاں علماء سوء اور علماء دنیا یعنی درباری و سرکاری، بالفاظِ دیگر پیٹ کے پجاری ملاؤں نے پہنچایا ہے اتنا کسی دشمن نے بھی نہیں پہنچایا۔ انہی لوگوں کی تنگ نظری، کم ظرفی، فتنہ سامانی اور دین وفتویٰ فروشی کو دیکھ کر اقبالؒ نے کہا تھا: ؎

مجھ کو تو سکھا دی افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

بہرنوع ہوائے زمانہ جس قدر تند و تیز ہو، اور فضا جس قدر مکدر اور دبیز، علمائے حق کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتے اور نہ ہی وہ اپنے شرعی وظائف و فرائض اور مذہبی و منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں غفلت و لاپرواہی برت سکتے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا کام یہ نہیں ہے کہ:

"اگر زمانہ با تو نسازد تو بہ زمانہ بساز"

بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ "اگر زمانہ با تو نسازد تو بزمانہ ستیز" تا کہ: ع

یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

وہ جانتے ہیں کہ کتمانِ حق وہ گناہِ کبیرہ ہے کہ جس کے مرتکب پر خدائے قہار نے قرآن میں لعنت کی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۵۹)

"جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ہم نازل کر چکے بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یقیناً ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں"۔ (ترجمہ مقبولؒ)

ایک اور جگہ ان الفاظ کے ساتھ وعید و تہدید فرمائی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۷۴)

وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کو تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور خدا ان سے قیامت کے دن نہ بات کرے گا نہ ان کو پاکیزہ فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (ترجمہ مقبولؒ)

اور پیغمبر اسلام ﷺ نے حق چھپانے اور اس پر پردہ ڈالنے اور باطل پرست لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے والے نام نہاد علماء پر لعنت کی ہے۔ چنانچہ آپؐ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اذا ظهرت البدع فی امتی فعلی العالم ان یظهر علمه و من لم یفعل فعلیه لعنة الله (اصول کافی)

"جب میری امت میں بدعات و منکرات ظاہر ہو جائیں تو عالم کا فرض ہے کہ وہ اپنے علم کا اظہار کرے (لوگوں کو اصل حقائق سے آگاہ کرے) اور جو ایسا نہیں کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی"۔

باقی صفحہ ۱۴ پر

باب التفسیر

جس شخص کے کسی بھی قول و فعل سے اس کا اسلام ظاہر ہوتا ہو اسے کافر کہنا جائز نہیں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوۡا وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫ فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیۡرَۃٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡكُمۡ فَتَبَیَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۹۴﴾

(سورۃ النساء: ۹۴)

ترجمۃ الآیات

اے ایمان والو! جب خدا کی راہ میں (جہاد کے لیے) نکلو تو پہلے خوب تحقیق کر لیا کرو، اور جو تمھیں سلام کرے تم اسے نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ تم دنیاوی زندگی کا ساز و سامان حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بڑی نعمتیں ہیں۔ اس سے پہلے تم خود ایسے (کافر) ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا (کہ تم مسلمان ہو گئے) پس خوب تحقیق کر لیا کرو۔ یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (۹۴)

تفسیر الآیات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ...... الآیۃ

اس آیت کی شانِ نزول مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے لڑنے کے لیے ایک سریہ بھیجا، اور اس کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جس کے پاس کچھ بھیڑ، بکریاں تھیں، جنھیں وہ چرا رہا تھا مگر ان لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ قتل سے بچنے کی خاطر یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اسے قتل کر دیا۔ جب پیغمبر اسلام کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس کا بڑا دکھ ہوا اور قاتل کی سخت کو سخت لعنت ملامت کی۔ بعض آثار کے مطابق قاتل نے یہ عذر پیش کیا کہ اس شخص نے قتل سے بچنے کے لیے ایسا کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تو نے اس کے دل کو چیر کے دیکھ لیا تھا؟ (تفسیر کاشف)

ایک روایت میں ہے کہ قاتل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ میری مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا "لا غفر اللہ لك" خدا تمھیں کبھی معاف نہ کرے۔ وہ ایک ہفتہ کے بعد مر گیا۔ اور جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان ایک سوراخ میں پھینک دیا اور اوپر کچھ پتھر رکھ دیے۔ (مجمع البیان)

ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے یہ کارروائی مالِ غنیمت کے لالچ میں کی تھی کہ اس طرح اس مقتول کا مال بطور غنیمت انھیں مل جائے گا۔ اس لیے خداوند عالم نے ان لوگوں کی اس حرکت شنیعہ کی مذمت کرتے ہوئے

فرمایا کہ ایسے حالات میں اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیا کرو کہ جسے تم قتل کر رہے ہو وہ مُسلمان تو نہیں ہے؟ اور مالِ غنیمت کا لالچ ہے تو رزاق کائنات کے پاس بہت سی غنیمتیں اور بہت سے فوائد وعوائد موجود ہیں۔

آیت میں لفظ "فتبینوا" (اچھی طرح تحقیق کر لو) کا دوبار آنا کسی کو قتل کرنے میں انتہائی حزم واحتیاط کے لزوم پر دلالت کرتا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ فقہاء نے اس آیت کو آیات الاحکام میں سے شمار کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس سے دو حکم مستنبط ہوتے ہیں:

① ہر چیز میں عموماً اور احکامِ شرعیہ میں خصوصاً اور خون و مال اور فروج کے معاملہ میں بالاخص بہت جانچ پڑتال لازم ہے اور تکمیل تحقیق کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

② جس شخص کے کسی بھی قول یا فعل سے اسلام ظاہر ہوتا ہو جیسے اسلامی طریقہ پر سلام کرنا، کلمہ اسلام کا زبان پر جاری کرنا یا نماز وروزہ جیسے شعائر اسلام میں سے کسی شعار کا اظہار کرنا۔ یعنی نماز پڑھنا، روزہ رکھنا وغیرہ، اسے مُسلمان سمجھنا اور اس پر اسلامی احکام کا لاگو کرنا واجب ہے اور اسے کافر کہنا اور اسے ہر قسم کا مالی، روحانی یا عرض وناموس کا نقصان پہنچانا قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔

ہاں البتہ اگر وہ اسلامی اصول (توحید، رسالت، اور قیامت) کا انکار کرے یا ضروریاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کرے تو پھر وہ مرتد اور خارج از اسلام متصوّر ہوگا اور اگر نماز وغیرہ ضروریاتِ اسلام پر عمل نہ کرے مگر انکار بھی نہ کرے تو ایسا شخص گنہگار اور فاسق و فاجر ضرور ہے مگر کافر نہیں ہے اور یہ مذہب شیعہ خیر البریہ کا اتفاقی نظریہ ہے۔ دیوبندی مکتبِ فکر کے مستند ترجمان جناب مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"اس آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو مُسلمان بتاتا ہو، خواہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی شعار کا اِظہار کرے، مثلاً اذان، نماز، وغیرہ میں شرکت کرے تو مُسلمانوں پر لازم ہے کہ اسے مُسلمان سمجھیں اور اس کے ساتھ مُسلمانوں کا سا معاملہ کریں، اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مُسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ نیز اس معاملہ میں اس کے اعمال پر بھی مدار نہ ہوگا۔ فرض کر لو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے پھر بھی اسے اسلام سے خارج کرنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ اسی لیے امام اعظم نے فرمایا: "لا نکفر اهل القبلة بذنب"۔ یعنی ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ بعض روایاتِ حدیث میں بھی اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو، خواہ وہ کتنا ہی گنہگار و بدعمل ہو۔

(معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۲۱)

دعا ہے کہ خداوند عالم علماء کرام کو کافروں کس مُسلمان بنانے لڑنے والوں کو منانے اور باہم صلح کرانے کی توفیق عطا فرمائے اور انھیں مُسلمانوں کو کافر بنانے اور منے ہوئے بھائیوں کو باہم لڑانے سے بچائے۔ ان ولی التوفیق و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

باب التفسیر

کذلک کنتم ......الآیۃ

تم بھی کافر اور خارج از اسلام تھے۔ بعد ازاں خدا نے تم پر احسان کیا کہ تم مسلمان ہو گئے اور جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتبار کر کے تمھیں مسلمان تسلیم کر لیا تھا تو تم کسی کے بارے میں کیوں سمجھتے ہو کہ وہ اظہارِ اسلام میں سچا نہیں ہے؟ آیت کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قتل مال غنیمت حاصل کرنے کے لالچ میں تھا۔ اس لیے ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ مالِ غنیمت کے لالچ میں کسی اظہارِ اسلام کرنے والے کا خون ناحق نہ بہاؤ۔ روزی کی کنجیاں رازق کل کائنات کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ تم رزق حرام سے اجتناب کرو، وہ رزق حلال کے دروازے کھول دے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ''ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب'' جو تقویٰ اختیار کرے گا، خدا اس کے لیے نکلنے کا راستہ کھول دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہو گا۔

باب الاعمال

لہٰذا چونکہ علماء حق بین وحق گو کے پہلو میں دل ہے اور دل میں خوفِ خالق دوجہاں اور احساسِ سود و زیاں ہے، اس لیے وہ ہر چیز اور ہر مالی و جانی نقصان برداشت کر سکتے ہیں مگر اپنے فرائض و وظائف کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنا گوارا نہیں کر سکتے۔ لان عذاب الآخرۃ اشد وابقی۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونی منظر سے
اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہو

باب الحدیث

باہمی تلطّف اور کرم گستری کا بیان

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

① حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، انھوں نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبّت کرو۔ اور باہمی صلہ رحمی اور کرم گستری کرو۔ باہم میل و ملاقات کرو اور ہمارے دین کو زندہ رکھنے کی کوشش کرو۔ (اصول کافی)

② نیز انہی حضرتؑ سے مروی ہے، فرمایا: مُسلمانوں پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا، اہل حاجت لوگوں کے ساتھ ہمدردی کرنا، اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی کرنے میں جدوجہد کرنا لازم ہے۔ (اصول کافی)

③ انہی حضرت سے منقول ہے، ایک حدیث کے ضمن میں فرمایا: ایک مُسلمان دوسرے مُسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے تنہا چھوڑتا ہے اور نہ اس سے خیانت کرتا ہے۔ (اصول کافی)

④ جناب خیثمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے خیثمہ! تم جب ہمارے موالیوں سے ملو تو ان کو میرا سلام پہنچاؤ، اور انھیں تقوائے الٰہی اختیار کرنے کی وصیّت کرو اور ان سے کہو کہ ان کا مالدار اپنے نادار کو عطا کرے، اور طاقتور کمزور کی مدد کرے اور زندہ مردہ کے جنازہ کی تشییع کرے اور ایک دوسرے سے گھروں میں جا کر ملاقات کریں، کیونکہ ان کی باہمی ملاقات سے ہمارا دین زندہ ہوتا ہے۔ خدا اس بندہ پر رحم فرمائے جو ہمارے دین و مذہب کو زندہ رکھتا ہے۔ اے خیثمہ! ہمارے موالیوں کو بتادو کہ ہم عمل کے بغیر تمھیں اللہ سے بے نیاز نہیں کر سکتے اور ورع و تقویٰ کے بغیر ہماری ولایت و محبّت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یاد رکھو کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ حسرت و ندامت میں وہ شخص ہوگا جو زبان عدل و انصاف کی تعریف اور مقام عمل میں اس کے خلاف عمل کرے۔ (اصول کافی)

باب المسائل

مختلف دینی ومذہبی سوالات کے جوابات

مطابق فتویٰ: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی

سائلہ: توحید نقوی

سوال: محترم قبلہ علامہ صاحب! السلام علیکم

گزارش ہے کہ میرا تعلّق گوجرانوالہ کے سادات گھرانے سے ہے۔ آج سے پندرہ سال پہلے میری شادی جس شخص سے ہوئی وہ ہے تو سید مگر اہل سنت فرقے سے تعلّق رکھتا ہے، جبکہ میرا تعلّق فقہ جعفریہ سے ہے۔

ہمارا نکاح فقہ جعفریہ کے مطابق ہوا تھا، اب اس شخص نے وکیل کے ذریعے مجھے طلاق ثلاثہ بجھوائی ہے۔ اس کو پانچ مہینے ہو گئے ہیں۔ مگر اب وہ لوگ کہتے ہیں چونکہ نکاح فقہ جعفریہ کے مطابق ہوا تھا، اس لیے طلاق نہیں ہوئی۔ جبکہ میں اس شخص سے کوئی تعلّق نہیں رکھنا چاہتی، بچے میرے پاس ہیں۔

آپ سے پہلے بھی مشورہ لیا تھا اور آپ نے کہا تھا کہ طلاق ہو گئی ہے، کیونکہ وہ اہل سنت ہے۔

اب آپ میری رہنمائی کریں اور اگر یہ طلاق مؤثر ہو گئی ہے تو مجھے لکھ کر فتویٰ ارسال کر دیں تا کہ میرے پاس ثبوت رہے۔

اور میرے لیے اور میرے بچوں کے لیے دعا کریں۔ شکریہ

الجواب: باسمہ سبحانہ! قاعدہ یہ ہے کہ نکاح و طلاق وغیرہ مسائل شوہر کے مذہب کے مطابق حل کیے جاتے ہیں۔ چونکہ یہاں صورتِ سوال میں شوہر کا مذہب اہلسُنّت بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اس مذہب کی فقہ کے مطابق طلاق واقع ہو گئی ہے۔ عدت گزار کر عقد ثانی کیا جا سکتا ہے۔ واللہ العالم

سائل: ثمر عباس کوٹ ادو ضلع مُظفّر گڑھ

سوال نمبر ۱: ہمارے علاقہ میں ایک جگہ کوٹ ادو بستی میں ایک چھوٹی سے مسجد ہے جس کے اطراف میں زمین زرخیز ہے، وہ مومن کہتے ہیں ہم اس مسجد کو ادھر سے ختم کر کے نزدیک روڈ پر ان کی اپنی زمین ہے وہ روڈ کے کنارے پر تیار کرنا چاہتے ہیں وہ کہتے ہیں تا کہ روڈ پر لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہوتی ہے وہ لوگ بھی نماز ادا کر سکیں۔ کیا وہ مسجد گرا سکتے ہیں؟ اور اگر وہ گرا سکتے ہیں تو جی اس مسجد کی مٹی کے بارے کیا حکم ہے اور اس جگہ کو وہ زراعت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب: باسمہ سبحانہ! جو ایک بار مسجد بن گئی ہے وہ قیامت تک مسجد رہے گی، نہ اسے گرایا جا سکتا ہے اور نہ اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر ۲: کیا شیعہ ایک اہل سنت مولوی صاحب سے شرعی نکاح پڑھوا سکتے ہیں۔ اگر نہیں

پڑھواسکتے تو جس نے پڑھوالیا ہواس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

جواب: باسمہ سبحانہ! ہاں پڑھواسکتا ہے۔

سوال نمبر ۳: جی آج کل کے نوجوان بہت پریشان ہیں عقائد کی وجہ سے۔ اب آپ بتائیے جی ہم عقائد کی کونسی کتاب پڑھیں، جو معتبر ہو اور اردو ترجمہ ہو۔ اور جی ذاکرین مقتل کو عجیب وغریب بیا کرتے ہیں۔ اب مقتل کی بھی کوئی معتبر کتاب بتائیے جی۔

جواب: باسمہ سبحانہ! ① نوجوانوں اور بوڑھوں سب کو ''احسن الفوائد فی شرح العقائد'' پڑھائیں۔

② اس سلسلہ میں اردو میں مستند اور معتبر کتاب ''سعادت الدارین فی مقتل الحسینؑ'' ہے۔

سوال نمبر ۴: ایک شخص پہلے سنی تھا، اب وہ مومن ہو گیا ہے، اب اسے اس کے بھائی چھوڑ گئے ہیں، حتیٰ کہ اس کی بچیوں کے رشتے لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اب وہ بیچارا پریشان ہے، کیا وہ اہل سنت کے کسی نوجوان سے رشتہ کرسکتا ہے جس میں اس کو خطرہ ہے کہ وہ میری بچیوں کا مذہب چھڑوا دیں گے۔

جواب: باسمہ سبحانہ! اس کے لیے لازم ہے کہ اپنی مومنہ بچیوں کو مومن بچوں کے عقدِ نکاح میں دے۔

سوال نمبر ۵: جی اہل بیتؑ محمد مصطفیٰؐ کس کی اولاد ہیں، ان کا شجرہ نسب کیا ہے؟ اور خلیفہ اول، ثانی، اور ثالث کس کی نسل ہیں۔ اکثر اہل سنت کہتے ہیں یہ پہلے ایک ہی تھے۔ اہل بیتؑ اور یہ خلیفے یہ تو معلوم ہے جی۔ یہ سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ مگر یہ کہاں سے جدا ہوئے ہیں۔ اور یہ عنایت کریں جی کہ اس موضوع پر کوئی کتاب ہے تو نام لکھ دیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ! اہل بیتؑ نبوتؐ حضرت علیؑ اور جناب بتولؑ اور ان کی اولاد میں گیارہ امام ہیں۔ جو کہ بنی ہاشم کے چشم وچراغ ہیں، جبکہ اول بنی تیم، ثانی بنی عدی اور ثالث بنی امیہ کے خانوادہ سے تعلّق رکھتے ہیں۔

سائل: محمد شبر عباس ومحمد نیر عباس روڈ وسلطان

سوال نمبر ۱: خودکشی کرنے والے انسان کے لیے دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ! ہاں کی جاسکتی ہے۔ اور ضرور کرنی چاہیے کہ وہ اس کا مستحق ہے۔

سوال نمبر ۲: سورۃ نور میں ''افک'' والی آیت حضرت عائشہؓ کی عظمت میں نازل ہوئی یا حضرت ماریہ قبطیہؓ کی عظمت میں نازل ہوئی؟

جواب: باسمہ سبحانہ! اس آیت میں کسی محترمہ کی عظمت شان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ ہاں اس میں جناب عائشہ پر جن لوگوں نے تہمت زنا لگائی تھی اس کی صفائی پیش کی گئی ہے کہ کسی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہوسکتی۔

سوال نمبر ۳: اللہ تعالیٰ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو نور سے خلق کیا۔ (حوالہ حیات القلوب) نور اور بشر میں فرق واضح کریں۔

جواب: باسمہ سبحانہ! نور و بشر میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہ ذواتِ مقدسہ جسمانی طور پر بشر ہیں اور روحانی طور پر نور ہیں۔ اس موضوع پر پوری تفصیل ہماری کتاب ''اصول الشریعہ'' میں دیکھی جائے۔

سوال نمبر ۴: کیا ایک مُقلد ایک سے زیادہ مجتہدین

کی طرف دینی مسائل میں رجوع کرسکتا ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ! ہاں عند التحقیق تبعیض فی التقلید جائز ہے۔ کہ بعض مسائل میں ایک مجتہد کی طرف رجوع کیا جائے اور دوسرے بعض مسائل میں دوسرے مجتہد کی طرف۔ تفصیل "قوانین الشریعہ" جلد، کے مقدمہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سوال نمبر ۵: کیا جوا کے بغیر تاش اور لڈو کھیلنا جائز ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ! شرط کے بغیر بھی اس شغل سے پرہیز کرنا چاہیے۔

سوال نمبر ۶: شیخ طوسی اور نعمانی نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت قائم آلِ محمدؐ کے ظہور کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے کہ حضرت برہنہ بدن قرص آفتاب کے سامنے ظاہر ہوں گے۔ (حوالہ حق الیقین اردو علامہ باقر مجلسی جلد دوم صفحہ ۱۸) اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: باسمہ سبحانہ! حدیث تو درست ہے، مگر اس کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ حدیث میں لفظ مجرد وارد ہے، را کی زیر کے ساتھ، جس کا ترجمہ شمشیر برہنہ لے کر ظاہر ہوں گے۔ اور ترجمہ کیا گیا ہے لفظ مجرد کا را کی زبر کے ساتھ۔ جس کا ترجمہ برہنہ ہے۔ تو حدیث میں مجرد وارد ہے کہ آپ شمشیر برہنہ لے کر ظاہر ہوں گے۔ اور یہ حقیقت ہے۔ دوسرا ترجمہ جہالت وضلالت کی پیداوار ہے۔

سوال نمبر ۷: قومی بچت بینک نے ساٹھ سال سے زیادہ عمر افراد کو ایک سہولت دے رکھی ہے کہ اگر وہ اپنی رقم اس بینک میں جمع کروائیں یا فکس کروائیں تو بینک اس کو منافع دیتا ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کریں۔ کیا وہ منافع جائز ہے یا ناجائز ہے۔

جواب: باسمہ سبحانہ! اس منافع کا لینا جائز ہے۔ یہ شرعی سود نہیں ہے۔

سوال نمبر ۸: "یا قائم آل محمدؐ ادرکنی" کہنا جائز ہے؟ مدد تو اللہ کی طرف سے مانگنی چاہیے۔ کیا یہ فقرہ "یا علیؑ مدد" ٹھیک ہے؟

جواب: باسمہ سبحانہ! امورِ تکوینیہ (خلق و رزق، موت وحیات وغیرہ امور) میں مدد براہ راست خدا سے مانگنی چاہیے اور واسطہ سرکار محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کا دینا چاہیے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے کہ: "وابتغوا الیه الوسیلة" (کہ دعا خدا سے کرو اور وسیلہ پیش کرو۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ کو وسیلہ بناؤ اور سوال و دعا آلِ محمدؐ سے کرو) تفصیل کے لیے "اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ" کا مطالعہ کیا جائے۔

باب المتفرقات

ہم ہیں سچوں کے ساتھ بجواب ہو جاؤ سچوں کے ساتھ

قسط ۹

ملک الطاف حسین ڈھولر تلہ گنگ ضلع چکوال

اللہ کریم نے قرآن مجید میں بارہا آیات (نشانیوں) کا تذکرہ فرمایا اور متعدّد باران لوگوں سے خطاب میں فرمایا جنھوں نے اللہ کے سوا رب بنالیے تھے کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ جن کو تم رب اور رازق مانتے ہو انھوں نے کون سی چیز کو پیدا کیا، جبکہ انھیں تو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

یہی سنت انبیاء میں بھی جاری رہی۔ حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون نے جھٹلایا اور کہا کہ: ''میں تمھیں قیدیوں میں شامل کردوں گا تو موسیٰؑ نے کہا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح نشانی (آیت) بھی لے کر آؤں، فرعون نے کہا: اچھا تو لے آ، اگر تو سچا ہے۔ اس پر موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینک دیا تو ایک دم کھلا ہوا اژدھا بن گیا۔ (سورۃ شعراء آیت ۲۹ تا ۳۲)

فرعون جیسا طاغوت اتنا تو سمجھتا تھا کہ صداقت کی کسوٹی آیت ہی ہے لیکن آج کے فرعون اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ آیت کہتے کسے ہیں؟

حضرت عیسیٰؑ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ: ''میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے آیت (معجزہ، نشانی) لے کر آیا ہوں''۔ کیونکہ انھوں نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کو سچ منوانا تھا۔

علیم و حکیم اللہ نے اپنی توحید منوانے اور اپنی عظمت و کبریائی کا اقرار کروانے کی خاطر انسانی تخلیق سے کہیں پہلے ثبوت اور نشانیاں پیدا فرما کر زمین و آسمان کی وسعتوں میں بکھیر دیں کہ انھیں دیکھو غور و فکر کرو کہ آخر انھیں کوئی پیدا کرنے والا بھی ہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ پہلے انسان پیدا ہوا، پھر اس سے کہا گیا ہو کہ مجھے خالق و مالک مانو۔ اس کا انکار کے بعد آیات (نشانیاں) پیدا کر کے کہا ہو کہ یہ ہیں میرے خالق و رب ہونے کی نشانیاں۔ انھیں دیکھو اور مجھے رب تسلیم کرو۔

اس تمہیدی بیان سے آیت کا نہایت سادہ اور عام فہم معنی و مفہوم جو عام لوگوں کے سمجھنے کے لیے یقیناً کافی ہے، اس شکل میں سامنے آتا ہے کہ اوروں کو اپنی صداقت و عدالت اور طاقت و قدرت پر اعتبار و یقین اور توجہ دلانے کے لیے کسی شئے کو بطور ثبوت (جس کے بنانے اور مٹانے پر کوئی اور قدرت نہ رکھتا ہو) لیا جائے، اسے آیت کہتے ہیں۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ ایک انسان اس سے معرفت خدا حاصل کر کے کفر و شرک سے دامن بچا کر اور عمل صالح بجا لا کر رضائے خداوندی حاصل کرنے میں کامیاب ہو کر جنت الفردوس میں داخلے کا اہل بن جائے۔

بقلم خود انداز

اب رہی یہ بات کہ علماء و فقہاء کو کس حوالے سے آیت اللہ اور حجت الاسلام والمسلمین کہلواتے ہیں؟ ان القابات سے بغض و عناد رکھنے والے بے نقطوں کو یہ نکتہ سمجھانے کے لیے ہمیں تھوڑا پیچھے پلٹنا اور چوں چاں کرنے والے بے رتی چڑیوں پر جھپٹنا بھی پڑے گا۔ علماء حقہ کا کسی کو بات سمجھانے کا اپنا ایک منفرد عالمانہ طور طریقہ اور عاقلانہ انداز ہوتا ہے۔ چونکہ دینی درسگاہوں سے ہماری علیک سلیک نہ ہوسکی اس محرومیت کی بنا پر ہمارا انداز بیان معمولی کھردرا ہے۔ دوسرا ہم نے ایسے حکیموں سے دارو دوا اور احتیاطی تدابیر کی ہدایات لی ہیں جن کے ہاں مردار جانوروں کی انتڑیوں سے تیار شدہ کوکنگ آئل نہیں بلکہ خالص دیسی تارا میرا کا کچی گھانی کا تیل وافر مقدار میں دستیاب ہے، جسے جسم پر ملنے سے غلو کی خارش، نصیریت کے پھنسی پھوڑے، نہار منہ کھانے سے تفویض کی ریح بادی اور اوروے بے عملی کے مروڑ، شیخیت کی شر و شیطانی دوپہر ڈھلنے سے پہلے ختم ہو جاتے ہیں۔ شروع دن سے ایسے نادر نسخے تجویز فرماتے ہیں جو بدعقیدگی کے کینسر، بداخلاقی کا فشارِ خون اور بدعملی کی شوگر کا تیر بہ ہدف علاج ہیں۔ ایک بار آزمائیں، نیم ملاؤں اور جہلاؤں سے چھٹکارا اور ہر قسم کی روحانی بیماریوں سے ہمیشہ کے لیے نجات پائیں۔ علاج گارنٹی سے کیا جاتا ہے۔ ضد اور ہٹ دھرمی کے جراثیم طاقتور ہونے کی وجہ سے شفایاب نہ ہوں تو قیمت واپس لے جائیں۔

کیا معصومینؑ سے براہِ راست استفادہ ممکن ہے

یہ حقیقت عیاں را چہ بیاں کی مصداق ہے کہ غیبتِ کبریٰ کے بعد لوگوں کا معصومینؑ سے براہِ راست رابطہ منقطع ہو چکا ہے۔ آج وہ دور نہیں اپنا ایمان و عمل اصحابِ معصومینؑ کی طرح ان کے حضور پیش کر کے تصدیق کرائی جاسکے، تو یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے حالات کہ امام ظاہر نہیں اور مسائل موجود ہیں تو کیا اعتقادات و نظریات اور اعمال و افعال کی دنیا میں لوگوں کو شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ تمام شرعی تکالیف اٹھالی گئی ہیں کہ جو دم چھلا مل جائے گاتے بجاتے رہیں، کوئی باز پرس اور سرزنش نہیں، یا ہادیانِ حقؑ نے اپنے بعد آنے والوں کے لیے کسی نشانی کی نشاندہی فرمائی ہے کہ جس دور میں ہم سے ملاقات کا امکانات و اسباب میسر نہ ہو تو ایسی کسی نشانی پر نگاہ و نظر رکھو جو تھیں صراطِ مستقیم سے بھٹکنے نہ دے۔

راویانِ احادیث کا مقام

رہبران ملتؑ نے ملت کو لاوارث نہیں چھوڑا، بلکہ راہنمائی فرماتے ہوئے جناب صادق آلِ محمدؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ بوقت تنازعہ وہ دیکھیں کہ:

''تم میں سے جو شخص ہماری حدیثوں کا راوی ہو ہمارے حلال و حرام پر نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام کی معرفت بھی رکھتا ہو اسے اپنا حاکم تسلیم کریں۔ کیونکہ میں اس شخص کو حاکم بناتا ہوں پس جب کوئی فیصلہ کرے اور اسے قبول نہ کیا جائے تو رد کرنے والا یہ سمجھے کہ اس نے

خدا کے حکم کو خفیف سمجھا ہے اور (اس عالم کے فیصلے کو نہیں بلکہ) ہمارے فیصلہ کو رد کیا ہے، اور ہمارے فیصلے کو رد کرنا والا کافر اور (گویا) خدا کے فیصلے کو ٹھکرانے والا ہے۔ یہ کھلا ہوا خدا کے ساتھ شرک ہے۔

سلسلہ ولایت کے چھٹے تاجدارؑ کا فرمان قلبند کرنے کے بعد ایک طرح سے تو ہمیں اجتہاد و مُجتہدین کے حوالے سے بحث واقعاتی کا اختتام اور اپنے مضمون کو تمام کر دینا چاہیے تھا لیکن علماء کرام اور فقہاء عظام پر طعن و تشنیع اور اجتہاد پر کلام شنیع کرنے والوں کی حسبِ استطاعت خاطر مدارت (گوشمالی و مرمت) کے لیے اپنا دسترخوانِ سخن و کلام مزید کچھ وقت کے لیے بچھائے رکھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہماری مہمان نوازی متاثر اور ان کی شکم سیری کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

رضوی صاحب! ضد و ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی و کے دبیز پردے آنکھوں سے ہٹا کر صدق و صفائی اور راستی و سچائی سے کلام امام صادقؑ کو عن کی روشنی میں پڑھیں تو آپ کے کمزور اعتقادات اور لاغر نظریات کو لاحق تمام مُہلک امراض کا مکمل علاج اس فرمان میں موجود نظر آئے گا۔ تقلید، اجتہاد اور مُجتہدین کی اہمیت، آیت اللہ اور حجت الاسلام والمسلمین کا معنیٰ و مفہوم، اس کا طریقہ کار، نور و بشر کے راز اور ولادت و نزول کے سارے بھید حتیٰ شہادتِ ثالثہ در تشہُد کے اضافے کی خود ساختہ کہانی اور دیگر جملہ مہمات و مُشکلات اور تنازعات و اختلافات کا نہایت آسان حل ارشادِ امامؑ میں ہے کہ ہماری حدیثوں کا جو راوی ان صفات سے متّصف ہو جب کوئی فیصلہ کرے تو ہلا چوں چرا اور بغیر کسی ٹیں ٹاں کے مانا جائے۔ کیونکہ اس کا فیصلہ ہمارا فیصلہ اور اس کا رد ہمارے فیصلے کا رد ہے۔

رضوی صاحب! خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، گورا ہو یا کالا، عجمی ہو یا عربی، شرقی ہو یا غربی، ملک ہو یا کمہار، سیّد ہو چمار...... ائمہؑ کے فیصلے کو رد کرنے والا فرمانِ امامؑ کی رو سے کافر ہے۔ کیونکہ ائمہؑ کا فیصلہ خدا کا فیصلہ ہے جس کو ٹھکرانا اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ مندرجہ بالا صفات کے حامل راویانِ حدیث کا فیصلہ خدا کا فیصلہ ہے اور خدا فیصلہ یہ ہے کہ اس (اللہ) کی آیتوں (نشانیوں) کو سوائے کافر و مشرک کے کوئی اور نہیں جھٹلاتا، یا اسے اس طرح سمجھا جائے کہ وہ کافر و مشرک ہی ہوتا ہے جو اللہ کی آیات کو رد کرتا ہے اور بعد ازیں اسے یوں دیکھ لیا جائے کہ جن کا رد اور ٹھکرانا کفر ہے ہمیشہ سے ان کا تعارف آیت ہی کے نام سے کروایا گیا ہے۔ پہلے اُن آیات کو جادوگر، شاعر، دیوانہ، مجنون کہہ کر ٹھکرایا جاتا رہا اور اب ان کے راویانِ حدیث کو مقصر، وہابی، منکر ولایت اور بے وقوف کہہ کر ٹھکرایا جا رہا ہے۔

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ فرمانِ امام کی رو سے راویانِ اخبار یعنی محدثین کبار اور مُجتہدین ابرار کو آیت اللہ کہنا صحیح ہوگا یا آپ کی ابلیسی سوچ کے تحت کچھ اس کے سوا؟ اور ان کے فیصلوں کا تمسخر اڑانے والے منور ظریف کو کس نام سے یاد کرنا آپ کو خوبصورت لگے گا؟ "ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی"۔

یہ بھی نہ بھولیے گا کہ غیبتِ کبریٰ کے آغاز سے تادم تحریر تمام راویانِ حدیث کا فیصلہ ہے کہ تشہُد میں شہادت ثالثہ کا اضافہ نصیریہ کی کارستانی اور شیخیت

کی شر و شیطانی کے سوا کچھ نہیں۔ بتانا ضروری ہے کہ اس فیصلے کو رد کرنے والا کس لقب سے مُلقّب ہوگا۔ براہِ کرم جناب صادق آلِ محمد علیہم السلام کا فرمان ایک مرتبہ پھر پڑھ کر اپنے آپ اور اسلام کے درمیانی فاصلے کو قدموں سے خود ناپ لیں جو مشرق و مغرب کے مابین فاصلے سے زیادہ نہ ہوا تو کم بھی نہ ہوگا۔

تفصیلاً بیان کر چکے ہیں کہ ماسوا منتخبانِ خدا ہر آدمی بے علم و بے خبر پیدا ہوتا ہے۔ اس بے علم کو باعلم بنانے کے لیے کسی صاحب علم کی ضرورت ہے، تاکہ اس سے تعلیم حاصل کر کے باعلم اور باعمل بن جائے۔ غیبتِ کبریٰ کے دور میں قرآن و فرمان اور ہمارے درمیان بجز علماء وفقہاء کوئی دوسرا ذریعہ و وسیلہ موجود نہیں جس سے کتاب مبین اور فرمانِ معصومینؑ کے اسرار و رموز معلوم کیے جائیں۔ اگر علماء سے مخالفت اور فقہاء سے مخاصمت رکھنے والے ہنرمندوں نے اہل علم کے علاوہ کوئی اور ذریعہ و وسیلہ ایجاد کر رکھا ہے تو عوامی سہولت اور وقتی ضرورت کے پیشِ نظر اس ایجاد کو بدعات و خرافات کے بازار میں لائیں۔ ممکن ہے آسمان کو چھوتی مہنگائی کے دور میں حسب سابق مہنگے داموں فروخت ہو جائے لیکن علماء وفقہاء کا متبادل مُشکل بھی اور ناممکن بھی ہے۔ یہی لوگ وہ نشانی اور وسیلہ و ذریعہ ہیں جن کے واسطے سے حق و باطل، عدل و فسق اور ہدایت و ضلالت میں تمیز کرنا ممکن ہے، اسی کے پیشِ نظر امام زمانؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے زمانہ غیبت میں تمھیں جو دینی مسائل و ضروریات پیش آئیں ان میں ہمارے راویانِ حدیث کی طرف رجوع کرنا۔ کیونکہ وہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں ان پر حجت خدا ہوں۔ (فرمان امام زمانؑ)

علماء وفقہاء انسان کی فطری ضرورت ہیں

انسان کی فطری ضرورت اور عدلِ خداوندی کا یہی تقاضا ہے کہ ایسے زمانے میں دین و شریعت کے احکامات و پیغامات کی خبر دینے والا کوئی نہ کوئی موجود ہو بصورتِ دیگر احکاماتِ دین کے اجراء اور مقدماتِ شریعت کے نفاذ میں تعطّل پیدا ہو جاتا ہے جو نہ قرین عقل ہے نہ قرین عدل، دیگر بے شمار احسانوں کے علاوہ یہ بھی اللہ کریم کا عظیم احسان ہے کہ اس ذات نے غیبتِ کبریٰ کے بعد علماء وفقہاء کی صورت میں رشد و ہدایت کا ایک سلسلہ قرار دیا، ورنہ بعد میں آنے والے لوگ علمی لعل و گوہر کہاں اور کس سے حاصل کرتے۔ دیکھتے نہیں کہ ان صاحبانِ علم کی موجودگی میں کئی سپیرے اپنی بینیں بجا کر لوگوں کو دھمالیں اور تالیں سکھا کر الو اور بدھو بنا رہے ہیں۔

قارئین محترم! صاحب رسالہ کی یہ طبع زاد تحریر پیش خدمت ہے جس سے ان کے مشیرانہ مزاج کی بو آتی محسوس ہو رہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

فقیہ پر واجب ہے کہ جب اس سے کوئی دین کا مسئلہ پوچھا جائے تو فرمانِ معصومؑ سنائے، وہ لوگوں پر حجّت ہوگا۔ امام زمانہؑ اس پر حجّت ہوں گے۔ امام جعفر صادقؑ اور امام حسن عسکریؑ کیا لفظ اجتہاد کو جانتے نہیں تھے کہ اجتہاد نے کیا کچھ کیا؟ آپ نے فقہاء کی تقلید کا کہا ہے"۔

رسالہ مذکور میں یہی ایک بات کام کی ہے جو ہمیں اتنی پسند ہے جتنی شاہ صاحب کو جہالت پیاری لگتی ہے۔ اس بات سے اتفاق کے ساتھ آپ کی غلط فہمی کا دامن چاک کرتے ہوئے یوں عرض کرتے ہیں کہ مجتہدین کے احترام، اجتہاد کے انتظام، تقلید کے اہتمام اور تشیّع کے استحکام کا خواہش مند ہر فرد اس نظریے کا مالک ہے کہ فقیہ وہی ہوتا ہے جو قرآن سنت سے مسائل دینیہ کو استنباط کرنے کی صلاحیتوں سے مالامال ہو اور جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو دین و شریعت کی عزت و عظمت کا لحاظ رکھ کر پروقار اور باادب طریقے سے اللہ کے قرآن اور معصومینؑ کے فرامین سے شرعی مسائل کو حل کرے۔ آپ کے علاموں فہاموں کی طرح یہ نہ کہے کہ میں اپنی جورو سے پوچھ کر پرسوں بتاؤں گا، اور جب بتانے اور بہکانے پر آئے تو آپ کی پسندیدہ عالم لوہار کی جگنی اور ملکہ ترنم نورجہاں کی آواز میں نغمے سنا کر دین داروں کو بے دین بنانے کا ایک عالمی ریکارڈ قائم کردے۔

نقالوں سے ہوشیار رہیں

رضوی صاحب آپ کو مشورہ دیں گے کہ ایسے مادر پدر آزاد نام نہاد مفتیوں کے خلافِ شرع من گھڑت فتووں سے اظہار برائت کریں جو ایام عزا میں حرام خون پینا حلال قرار دے کر لوگوں کو انسانیت کے اجالوں میں لانے کی بجائے حیوانیت کے اندھیروں میں دھکیل رہے ہیں۔ بعید نہیں کہ آپ کے ایسے منچلے مفتی و مجتہد آپ کی اسرائیلیت سے فائدہ اٹھا کر آج نہیں تو کل لحم خنزیر اور شرابِ شریر کو دستر خوانوں کی زینت بنانے کے فتوے دے کر آپ کی رہی سہی کسر بھی پوری کردیں۔ ان دگرگوں لمحات میں ضروری ہے کہ آپ اجتہاد کے حوالے سے اپنے ذہن و ضمیر کا ایک آدھ دروازہ کھلا رکھیں۔ ممکن ہے کہ کہیں سے اصلاح و فلاح کا کوئی ذرہ اڑ کر اس در سے داخل ہو کر آپ کے مردہ ضمیر کو زندہ کرنے میں مددگار ثابت ہو۔

شرع اور اجتہاد لازم وملزوم

محترم شریعت بنیاد ہے اس میں دم ہے تو اجتہاد ہے۔ اجتہاد ہے تو مجتہدین کا ہونا لازمی ہے، مجتہدین ہوں گے تو تقلید ہوگی۔ آپ کے تحریری بیان سے چاروں ستونوں کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک ستون گرا دیا جائے تو بقیہ تین کی حالت وہ نہ رہے گی جو درکار ہے۔ آپ چونکہ اجتہاد و مجتہدین کو اچھی آنکھ اور میلی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں، لہٰذا اپنی علمی جیب ٹٹول کر بتائیں کہ جب شریعت اور تقلید کے درمیان کوئی اور شئے ہی نہ ہو تو آپ تقلید کس کی اور کس طرح کریں گے، جس تقلید کا ائمہؑ نے حکم صادق فرمایا اور آپ کو ان لفظوں میں قبول بھی ہے کہ آپؑ (ائمہ اطہارؑ) نے تقلید کا کہا۔

آپ ہی سمجھائیں اور بتائیں کہ آپ کا یہ بیان پڑھ کر کوئی دوسرا کیا کرے؟ آپ کی سادگی پر گریہ و بکا کرے، بچگانہ حرکات و سکنات (کم عقلی) پر نیم برہنہ ہو کر ماتم کرے یا پھر آپ کے شوق و اشتیاق کی آمد پر دھمال ڈالے کہ آپ اجتہاد و

مُجتہدین سے دشمنی کو گلے کا ہار(جو آپ کے دین وایمان کی ہار ہے) بنانے کے باوجود ان الفاظ کے ساتھ شریعت کے حامی نظر آتے ہیں کہ" جب کوئی دین کا مسئلہ" مُجتہدین کے قائل اس طرح کہہ" فقیہ پر واجب ہے" اجتہاد کو تسلیم کر رہے ہیں۔ اس انداز میں کہ" جب اس سے کوئی دین کا مسئلہ پوچھا جائے" اور تقلید کو ماننا ان صاف لفظوں میں کہ" آپ نے فقہاء کی تقلید کا کہا"۔

فرار منع ہے

جناب شاہ جی زبانی کلامی جمع وتفریق ہو تو انکار کی صورت میں داغدار دامن بھی بچایا جاسکتا ہے لیکن آپ کا تحریری قول واقرار ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے کہ جس میں اجتہاد، مُجتہدین، اور تقلید کو تسلیم کیا گیا ہے، سب کچھ ماننے کے باوجود آپ کے نہ ماننے کا معشوقانہ انداز اس کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے جس کا اندازہ ہم نے پہلے سے لگا لیا تھا کہ اس نازیبا حرکت کے پیچھے آپ کے مالی مفادات اور چند دیگر ذاتی معاملات اوباش دوشیزہ کی مانند انگڑائیاں لے رہے ہیں تب ہی تو مُجتہدین واجتہاد کے خلاف بکواسات و مُغلظات اور ہزلیات والزامات کی نشرواشاعت کا پہلی اور آخری بار نا کام تجربہ کیا ہے۔

محترم رضوی صاحب! ہم چونکہ آپ جیسے پڑھے لکھے پیدا نہیں ہوئے، لہٰذا ہماری رہنمائی فرمائیں کہ جو شخص امامؑ کی طرف سے لوگوں پر حجت (دلیل) ہوگا امام زمانؑ اس پر حجت ہوں گے اور امام زمانؑ بشمول دیگر معصومینؑ اللہ کی حجت اور آیت ہیں تو اس حقیقت کے تناظر میں وہ علماء وفقہاء جن کے ذریعے غیبتِ کبریٰ کے بعد سے اللہ کے نازل احکامات، نبی اور آلِ نبیؐ کے ارشادات اور دین وشریعت کے جملہ لوازمات ہم تک پہنچے اور مسلسل اب بھی پہنچ رہے ہیں، بتایا جائے کہ ان علماء وفقہاء کو حجت الاسلام والمسلمین اور آیت اللہ کہنا صحیح ودرست ہے یا پھر حجت الامام اور آیت الانام یا حجت الناس اور آیت الناس کہنا مناسب ہے؟...... اگر آپ کے نزدیک حجت اور آیت کی نسبت امامؑ کی طرف صحیح ہو تو مزید اتنا بتائیں کہ امام اور اسلام کے درمیان کتنی مسافت ہے جو اتنی عمر میں آپ سے طے نہ ہوسکی کہ اگر انہی علماء وفقہاء کو آیت اللہ اور حجت الاسلام والمسلمین کہہ دیا جائے جس کا وہ استحقاق رکھتے ہیں تو آپ کی پسلیوں کے پیچھے درد کیوں اٹھنے لگ جاتا ہے؟

آگے بڑھنے سے پہلے آپ کو متوجہ کرتے ہیں کہ آپ اپنی ان اداؤں (لفظوں) پر ذرا غور کریں کہ "فقیہ پر واجب ہے کہ جب اس سے کوئی دین کا مسئلہ پوچھا جائے تو فرمانِ معصومؑ سنائے" جس فقیہ سے آپ دھمکی آمیز لہجے میں مسئلہ پوچھنے کی بات کر رہے ہیں جبکہ اس سے جوڑ بھی نہیں تو بجائے اس فقیہ کے آپ کی لوہار ترکھان سے مسائل کیوں نہیں پوچھ لیتے۔ وہ گھڑا گھڑایا من پسند مسئلہ آپ کے ہاتھ تھما دے گا، فقیہ تو سنار اور صراف ہوتے ہیں جو اجتہاد کی بھٹی میں پیچیدہ مسائل پگھلا کر کھرا کھوٹا اور پاس گھاٹ الگ کر دیتے ہیں، ان کے قریب وہی جاتے ہیں جو سچی سوغات کے طلب گار اور جھوٹ کی مصنوعات سے بے زار ہوتے ہیں۔

(جاری ہے)

حجۃ الاسلام مولانا مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فریضہ حج سے فارغ ہونے کے بعد جب مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تو کم وبیش ایک لاکھ کا مجمع آپؐ کے ہمرکاب تھا، جو مختلف شہروں اور بستیوں سے سمٹ کر جمع ہوگیا تھا، اور اب فرض سے سبک بار ہو کر علیحدہ ہوجانا تھا۔ جوں جوں ان کی بستیاں قریب آتی جارہی تھیں ان کی رفتار تیز ہوتی جارہی تھی۔ کچھ لوگ شاداں وفرحاں آگے بڑھ گئے تھے اور کچھ افتاں وخیزاں چلے آرہے تھے۔ غرض قافلہ رواں دواں تھا کہ مقام جحفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک پُرخار وادی میں جو غدیر خُم کہلاتی تھی انھیں ٹھہر جانے کا حکم دیا گیا۔

یہ حکم اتنا اچانک اور ناگہانی تھا کہ لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ یہاں منزل کیسی۔ کیونکہ یہ جگہ نہ تو قافلوں کے اترنے کے لیے موزوں تھی نہ گرمی سے بچنے کا کوئی سامان تھا اور نہ دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ اور نہ ادھر سے گزرتے ہوئے عربوں کے کسی کارواں کو یہاں منزل کرتے دیکھا گیا تھا۔

اس کارواں کو روکنے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبر اکرمؐ مُسلمانوں کو اللہ کے ایک اہم فیصلہ سے آگاہ کرنا چاہتے تھے اور اس کے عمومی اعلان کے لیے مناسب موقع ومحل کے مُنتظر تھے اور اس سے مناسب تر کوئی اور موقع نہ ہوسکتا تھا کیونکہ چند لمحوں کے بعد یہ مجمع متفرّق و پراگندہ ہوجانے والا تھا اور پھر اتنی عظیم جمعیّت کے یکجا ہونے کی بظاہر حال کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ عالم اسلام کے ہر کونے اور ہر خطے کے لوگ جمع تھے اور ان کے مُنتشر ہونے سے پہلے یہ حکم ان کے گوش گزار کردینا ضروری تھا۔ پھر اس صحرائے بے آب وگیاہ میں کارواں کو روک لینے میں یہ مصلحت بھی کارفرما ہوسکتی ہے کہ اگر معمولاً اس مقام پر قافلے ٹھہرا کرتے تو یہ سمجھا جاتا کہ آرام اور سفر کی تکان دور کرنے کے لیے منزل کی گئی ہے اور ضمناً ایک اعلان بھی کردیا گیا ہے۔ جس سے اس اعلان کی اہمیت کم ہوجاتی...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لیے ایسی جگہ مُنتخب کی جو کبھی قافلوں کی فرودگاہ نہ رہی تھی، تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ یہاں ٹھہرنے کا مقصد آرام واستراحت نہیں ہے بلکہ معاملہ کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ کتنی زحمت وتکلیف کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے اس جلتے ہوئے میدان میں چلتے ہوئے کارواں کو روک لیا جائے اور سب کو فیصلہ خداوندی سے آگاہ کردیا جائے اور وہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت وجانشینی کے متعلق تھا۔

اس سے پیشتر دعوت عشیرہ کے ایک محدود دائرہ میں اور غزوۂ تبوک و تبلیغ سورہ برائت کے مواقع پر پیغمبرؐ کی زبان سے مختلف پیراؤں اور اشاروں کنایوں میں ایسے کلمات سنے جاچکے تھے جن سے ایک انصاف پسند اور غیر جانب دار انسان یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور تھا کہ ہو نہ ہو پیغمبرؐ علیؑ کو اپنا نائب و جانشین مقرر کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی دیکھنے میں آتا تھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں خواہ مخواہ علیؑ کے خلاف شکوہ ریز رہتی ہیں اور ان کے معمولی منصب پر بھی ان کی دلی کدورتیں چہروں پر کھل جاتی ہیں، وہ بھلا اسے کیونکر ٹھنڈے دل سے گوارا کریں گے اور اسے عملی جامہ پہننے دیں گے۔

پیغمبر اکرمؐ بھی ان چیزوں سے خالی الذہن نہ تھے۔ وہ بعض چہروں کے اتار چڑھاؤ سے ان کی دلی کیفیتوں کو بھانپ رہے تھے اور ان کے حرکات و سکنات سے ان کے ارادوں کو سمجھ رہے تھے کہ یہ مخالفت کیے بغیر نہیں رہیں گے اور ہر ممکن طریقہ سے روڑے اٹکائیں گے۔ اس لیے مزاج شناس قدرت یہ چاہتا تھا کہ قدرت کی طرف سے ان لوگوں کے شر سے تحفظ کا ذمہ لے لیا جائے تو پھر اس کا عمومی اعلان کیا جائے۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے تحفظ کی ذمہ داری کے ساتھ اس مقام پر یہ آیت نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ

اے رسولؐ! تمہارے پروردگار کی طرف سے جو حکم تم پر اتارا گیا ہے اسے پہنچادو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں۔ اور اللہ (ہر حال میں) تمھیں لوگوں کے شر سے بچائے گا۔

علامہ قاضی شوکانی تحریر فرماتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال نزلت هذه الاية يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ علی رسول الله يوم غدير خم فی علی بن ابی طالب. (فتح القدير جلد ۳ صفحه ۵۷)

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ آیہ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ غدیر خم میں علیؑ بن ابی طالبؑ کے بارے میں رسول اللہؐ پر نازل ہوا۔

اس تہدید آمیز حکم کے بعد تاخیر کی گنجائش نہ تھی۔ پیغمبر اکرمؐ سواری پر سے اترے، ساتھ والے بھی اتر پڑے۔ حی علی خیر العمل کی آواز پر آگے بڑھ جانے والے پلٹے اور پیچھے رہ جانے والے تیزی سے بڑھے اور تمام مجمع سمٹ کر یکجا ہوگیا۔

دوپہر کا وقت بادسموم کے جھلسا دینے والے جھونکے، جلتا ہوا ریگستان، آفتاب کی تمازت اور گرمی کی شدت چند ببول کے درختوں کے علاوہ نہ کہیں سبزہ نہ کہیں سایہ۔ صحابہ نے عبائیں کندھوں سے اتار کر پیروں کے گرد لپیٹ لیں اور اس جلتی ہوئی زمین پر ہمہ تن گوش بن کر بیٹھ گئے۔ آنحضرتؐ نے اونٹوں کے کجاوے جمع کرکے ببول کے دو درختوں کے درمیان ایک منبر تیار کروایا اور زیب دہ عرشہ منبر ہوئے۔

زید بن ارقم کہتے ہیں:

قام رسول الله ﷺ يوما فينا خطيبا بماء يدعى خما بين مكة والمدينة فحمد الله واثنى عليه و وعظ و ذكر ثم قال

اما بعد الا یا ایھا الناس فانما انا بشر یوشك ان یاتی رسول ربی فاجیب و انا تارك فیکم الثقلین اولھما کتاب اللہ فیه الھدی و النور فخذوا بکتاب اللہ و استمسکوا فحث علی کتاب اللہ و رغب فیه ثم قال و اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی
(صحیح مسلم جلد۲ صفحہ۲۷۹)

پیغمبر اکرم ﷺ مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کہلاتا تھا، خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا اور پند وتذکیر کے بعد فرمایا:

اے لوگو! میں ایک بشر ہی تو ہوں، وہ وقت دور نہیں ہے کہ میرے پروردگار کی طرف سے پیغامبر آئے اور میں اس کی آواز پر لبیک کہوں، میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک اللہ کی کتاب جس میں نور وہدایت ہے۔ لہٰذا کتاب خدا کو مضبوطی سے پکڑو اور اس سے وابستہ رہو۔ آپ نے کتابِ خدا سے تمسک پر زور دیا اور اس کی طرف رغبت دلائی۔

پھر فرمایا اور دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں۔ میں تمھیں اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں تمھیں اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں تمھیں اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا:

الست اولی بکم منکم بانفسکم؟

کیا میں تم پر خود تم سے زیادہ حق تصرف نہیں رکھتا؟۔

سب نے ہم آواز ہو کر کہا:

اللھم بلی۔ بیشک ایسا ہی ہے۔

اپنی اولویت و حاکمیّت کا اقرار لینے کے بعد حضرت علیؑ کو بغلوں میں ہاتھ دے کر اوپر اٹھایا اور فرمایا:

یا ایھا الناس ان اللہ مولای و انا مولی المومنین و انا اولی بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھذا مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ (صواعق محرقہ صفحہ۴۱)

اے لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں تمام مومنوں کا مولا ہوں، اور میں ان کے نفسوں سے زیادہ ان پر حاکم و مُتصرّف ہوں۔ یاد رکھو کہ جس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ بھی مولا ہیں۔ خدایا اسے دوست رکھ جو انھیں دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو انھیں دشمن رکھے۔

ابن عبدالبر نے تحریر کیا ہے:

قال یوم غدیر خم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ (استیعاب جلد۲ صفحہ۴۶۰)

پیغمبرؐ نے غدیر خم کے دن فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں، اے اللہ جو انھیں دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو انھیں دشمن رکھے تو اسے دشمن رکھ۔

اس اعلان کے بعد آنحضرت ﷺ فراز منبر سے نیچے تشریف لائے اور نماز ظہر باجماعت ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ گروہ در گروہ علیؑ کے خیمہ میں جائیں اور انھیں اس منصب رفیع پر فائز ہونے کی مبارکباد دیں۔ چنانچہ صحابہ نے تبریک وتہنیت کے کلمات کہے۔ امہات المومنین اور دوسری خواتین نے بھی اظہارِ مسرت کرتے ہوئے مبارکباد

دی اور حضرت عمر کے الفاظ تہنیت تو اب تک کتب تاریخ وحدیث میں موجود ہیں، اور وہ یہ ہیں:

هنيالك يابن ابی طالب اصبحت و امسيت مولیٰ كل مؤمن و مؤمنة (مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۸۱)

مبارک ہو اے فرزند ابو طالب! آپ تو ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے۔

ادھر مبارکبادیوں کا سلسلہ جاری تھا، ادھر جبرئیل امین علیہ السلام نے اتر کر تکمیل دین و اتمام نعمت کا روح پرور مژدہ سنایا:

اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتی و رضيت لكم الاسلام دينا

آج میں نے تمہارے دین کو ہر لحاظ سے کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں:

عن ابی سعيد الخدری قال لما نصب رسول الله عليا يوم غدير خم فنادی له بالولاية هبط جبرئيل عليه بهذه الأية اليوم اكملت لكم دينكم (تفسير درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۵۹)

ابو سعید خدری کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے دن علیؑ کو اپنی جگہ پر نصب کیا اور ان کی ولایت کا اعلان کیا تو جبرئیل امین آیہ الیوم اکملت لکم دینکم لے کر آنحضرتؐ پر نازل ہوئے۔

واقعہ غدیر خم متواتر و مسلم اور شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔ اس میں تاویلات سے تو کام لیا جاتا رہا لیکن اصل واقعہ کو جھٹلایا نہ جا سکا، اور نہ الفاظ حدیث کی صحت سے انکار کیا جا سکا۔ کیونکہ اس حدیث کے کثرت طرق پر نظر کرنے کے بعد وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو مشاہدات وبدیہیات کے انکار کا عادی ہو۔

علم الہدیٰ سید مرتضیٰ نے فرمایا ہے کہ واقعہ غدیر کا انکار چاند سورج اور ستاروں کے انکار کے برابر ہے۔

علامہ مقبلی نے کہا ہے کہ اگر واقعہ غدیر یقینی نہیں ہے تو پھر دین کی کوئی بات یقینی نہیں ہے۔

فریقین کے علماء و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبرؐ نے ایک عظیم اجتماع کے اندر اپنی حاکمیّت و اولویت کا اقرار لینے کے بعد فرمایا کہ جو مجھے اپنا مولا سمجھتا ہے وہ علیؑ کو بھی اپنا مولا سمجھے۔

مگر لفظ مولا کو حسب پسند معنی پہنا کر حقیقت کو نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اس لیے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جاتا کہ اس حدیث کی رو سے جو حیثیت رسولؐ کی امت سے ہے وہی حیثیت علیؑ کی ہے، تو سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کا کوئی جواز نہ رہتا۔

چنانچہ کبھی یہ کہا گیا کہ اس کے معنی دوست کے ہیں اور کبھی یہ کہا گیا کہ اس کے معنی ناصر و مددگار کے ہیں۔ لیکن سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک جلتے ہوئے صحرا میں ہزاروں کے مجمع کو جو اپنے گھروں میں پہنچنے کے لیے بے چین تھا، سمیٹنا، جبکہ کارواں کا ایک حصہ عقب میں رہ گیا تھا، اور اگلا ریلا تین میل آگے جحفہ کے حدود تک پہنچ چکا تھا، کانٹوں کو سمیٹ کر جلتی زمین پر بیٹھنے کی جگہ بنانا، پالانوں کو جمع کر کے منبر

نصب کرنا اور پیغمبرؐ کا اپنے حاکم و اولیٰ بالتصرف ہونے کا اقرار لینا...... کیا صرف یہ بتانے کے لیے تھا کہ جس کا میں دوست ہوں اس کے علی بھی دوست ہیں۔ یا جس کا میں مددگار ہوں علیؑ بھی اس کے مددگار ہیں۔ کوئی بھی صاحب عقل و دانش یہ باور نہیں کرے گا کہ یہ اہتمام و انصرام محض اتنی سی بات کے لیے تھا۔ کیا ان لوگوں سے علیؑ کی رسول اللہؐ سے دوستی و وابستگی مخفی تھی، یا اوائل عمر سے اسلام و اہل اسلام کی نصرت میں علیؑ کے کارنامے ڈھکے چھپے ہوئے اور کسی تعارف کے محتاج تھے۔ یا اللہ کا ارشاد: ''المومنون و المومنات بعضهم اولیاء بعض'' (مومنین کیا مرد اور کیا عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں) اس دوستی کے اظہار کے لیے کافی نہیں تھا؟ اور کیا کیا پیغمبرؐ اپنی حاکمانہ حیثیت منوائے بغیر اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکتے تھے؟۔ بلا شبہ دوست و ناصر کے معنی مراد لینے سے یہ تمام چیزیں بے معنی و بے مدعا ہو کر رہ جائیں گی۔ اور پھر اس پر بھی نظر ڈالیے کہ پیغمبرؐ کو نصرت و دوستی کے اعلان سے کیا خطرہ ہوسکتا تھا کہ قدرت کو یہ کہنا پڑا: ''واللہ یعصمك من الناس'' اللہ تمھیں لوگوں کے شر سے بچائے رکھے گا۔ اور پھر یہ خطرہ بیرونی خطرہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ تمام بیرونی خطروں کا انسداد کیا جا چکا تھا، اب اگر تھا تو اندرونی خطرہ تھا، اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا تھا جب پیغمبرؐ کا اعلان ایک طبقہ کے سیاسی مصالح سے مُتصادم ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ دوستی و نصرت کا اعلان تو خطرہ کو دعوت نہ دے سکتا تھا۔

یہ تمام قرائن و شواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس مقام پر مولا کے معنی حاکم و مُتصرّف کے ہیں اور جس طرح آنحضرت ﷺ کی ولایت و حاکمیّت کا اقرار ضروری ہے اسی طرح علی کی ولایت و حاکمیّت کا اقرار بھی لازم ہے۔ اور اسی معنی کی توضیح و تعیین کے لیے پیغمبرؐ نے اپنی حاکمانہ و مُتصرّفانہ حیثیت کا اقرار لیا تھا، ورنہ اس کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور حضرت عمر نے مبارکباد پیش کی تو کچھ سمجھ کر ہی پیش کی ہوگی۔ اگر اس میں کسی نمایاں اعزاز کا اعلان نہ ہوتا تو تبریک کا محل ہی کیا تھا۔ اگر جنبہ داری سے ہٹ کر انصاف و حق پسندی سے کام لیا جائے تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ اعلان اسی اعلان کی صدائے بازگشت تھا جو واقعہ غدیر سے بیس برس قبل دعوت عشیرہ کے ایک محدود حلقہ میں کیا گیا تھا کہ:

ان هذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم فاسمعوله و اطیعوا

(تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۴۲)

''یہ میرا بھائی، میرا ولیعہد اور میرا جانشین ہے، اس کی سنو اور مانو''۔

بہرحال اس اعلان سے نہ صرف مسئلہ خلافت واضح ہوجاتا ہے، بلکہ پیغمبرؐ کے تمام تبلیغات و تعلیمات میں اس مسئلہ کی اہمیت اور بنیادی حیثیت بھی نمایاں ہوجاتی ہے۔ اگرچہ پیغمبر اکرم ﷺ نے بعثت سے ہجرت تک اور ہجرت سے حجۃ الوداع تک ان تمام احکام کی تبلیغ کی جو وقتاً فوقتاً آپؐ پر نازل ہوتے رہے اور مُسلمان ہر ہر حکم پر عمل بھی کرتے رہے۔ چنانچہ وہ نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے، زکوٰۃ دیتے اور جہاد میں شریک ہوتے

تھے اور حج کے موقع پر جوق در جوق ادائے حج کے لیے بھی جمع ہو گئے تھے۔ مگر آیۂ قرآنی: "وان لم تفعل فما بلغت رسالته"۔ "اگر تم نے یہ نہ کیا تو گویا تم نے کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں"۔ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آخری تبلیغ کے بغیر تمام احکام کی تبلیغ ناتمام بلکہ کالعدم تھی۔ حالانکہ اللہ نے کسی حکم کی تبلیغ کو دوسرے حکم کی تبلیغ پر موقوف نہیں رکھا۔ مگر یہاں پیغمبرؐ کی تئیس سالہ تبلیغ کو صرف اس تبلیغ پر منحصر کیا گیا ہے۔ اس طرح کہ اگر یہ تبلیغ نہ ہوتی تو دین ناتمام رہ جاتا اور کار رسالت پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔

اس سے دو چیزوں کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس حکم کی حیثیت اسلام میں اصل و اساس کی ہے اور دوسرے اعمال و احکام کی حیثیت فروع کی ہے۔ اور جس طرح بنیاد کے بغیر دیواروں میں استحکام نہیں آتا اور جڑ کے بغیر شاخیں پھلتی پھولتی نہیں، اسی طرح اس آخری تبلیغ کے بغیر رسالت ناتمام رہتی اور دین اتمام و اکمال کو نہ پہنچتا۔ لہٰذا رسالت کو اگر اصول میں شمار کیا جاتا ہے تو جسے تکملہ تبلیغ رسالت قرار دیا گیا ہے اسے بھی اصول میں داخل ہونا چاہیے اور دوسرے یہ کہ جب اس امر کے نہ پہنچانے کے نتیجہ میں تمام احکام کا پہنچانا نہ پہنچانے کے برابر ہو جاتا ہے تو اس امر کے نہ ماننے کی صورت میں ان تمام احکام کا سیکھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا کیا بے نتیجہ ثابت نہ ہوگا؟۔

تحریر: علامہ آفتاب حسین الجوادی

سلفی صاحب! ذرا جمع قرآن کی روایات پر ایک سرسری نظر ڈالیں، آپ کے مطابق قرآن مجید کس دور میں کس طرح جمع ہوا، کچھ روایات حضرت ابوبکر کو، کچھ عمر کو تو کچھ حضرت عثمان کو جامع قرآن بتاتی ہیں۔ اور یہ الگ بحث ہے کہ جمع کیسے ہوا، دو گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر جمع کیا گیا...... ہمارے ہاں تو یہ مسئلہ ہے ہی نہیں، بلکہ ہمارا صحیح موقف یہ ہے کہ قرآن مجید عہد نبوی میں ہی کتابی شکل میں جمع ہو چکا تھا، صحابہ کرامؓ کے پاس مصاحف موجود تھے، البتہ ان نسخوں میں تفسیری نکات کا اضافہ تھا، جس کی درستگی کرلی گئی۔ شیعہ وسنی کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ترتیبِ نزولی کے موافق تفسیر وتشریح کے ساتھ قرآن جمع کیا تھا۔ اسی تناظر میں مشہور تابعی حضرت محمد ابن سیرین علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ اگر حضرت علی کا جمع کردہ قرآن ہمیں مل جاتا تو بہت سا علمی ذخیرہ ہمیں میسر آتا۔

سلفی صاحب ''فصل الخطاب'' کے مندرجات کو یقیناً آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صاحب کتاب نے شیعہ روایات سے بہت زیادہ اہل سنت روایات کو اپنے باطل مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔ انہوں نے شیعہ وسنی روایات کو جمع کرکے، مستند علماء کی ان روایات کے حوالے سے تاویلات کو نظر انداز کرتے ہوئے خود ساختہ نظریہ اختیار کیا جسے شیعہ وسنی دونوں فریق تسلیم نہیں کرتے۔ اب اس کتاب کو صرف شیعہ کے سر تھونپنا بددیانتی وجہالت اور خبثِ باطنی کی دلیل ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ اس کتاب کے متعلق جب بھی تکفیری طبقہ نے کچھ لکھا تو صرف شیعہ روایات کا ذکر کیا ہے، اس میں مذکور سنی روایات انہیں نظر نہیں آئیں، جیسا کہ ایک تکفیری یزیدی محمد الفاروقی النعمانی نامی شخص نے ''مختصر ترجمہ فصل الخطاب'' نامی کتاب اردو میں تحریر کی، اس میں مختصر ترجمہ کیا، خلاصہ والی بھی کوئی بات نظر نہیں آتی البتہ صرف چند روایات نقل کرکے مذہبی تعصب وجنونیت کی بناء پر غلیظ گالیاں بکی ہیں۔ حالانکہ صاحبِ فصل الخطاب نے اپنے باطل دعوے کے اثبات میں ۱۲ دلیلیں ذکر کی ہیں، جن میں سے ۹ دلیلیں صرف اہل سنت کی روایات سے دی ہیں، جسے فاروقی مذکور دیدہ دانستہ نظر انداز کرگیا ہے، معلوم ہوا کہ فصل الخطاب میں موجود روایات کی کثیر تعداد اہل سنت کی کتب سے ماخوذ ہے۔

افسوسناک المیہ:

آج کا المیہ یہ ہے کہ اکثر مذہبی نووارد لکھاری، اصل مآخذ ومنابع کی طرف رجوع نہیں کرتے، بلکہ سطحی قسم کے، مناظرانہ رسائل وکتب ہی ان کی تحقیق وتحریر کے علمی مآخذ قرار پاتے ہیں، مناظرانہ کتابوں میں نقل حوالہ میں عام طور پر غلط انداز میں قطع وبرید سے کام لیا جاتا ہے، حوالوں کی نسبت غلط انداز سے دی جاتی ہے۔ آج کل کے لکھاری حضرات عربی عبارات درست انداز

میں پڑھ ہی نہیں سکتے، اسے سمجھنا تو دور کی بات ہے۔

الحمد للہ، ہمارے مخاطب عبدالجبار سلفی صاحب کا شمار بھی اِنہی لکھاریوں میں ہوتا ہے، اگر ہماری بات پر یقین نہ آئے تو یوٹیوب پر شیعہ خیرالبریہ کے خلاف اِن کی ناروا ہرزہ سرائی کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ جس میں موصوف کتاب سے دیکھ کر بھی عبارت غلط پڑھ رہے ہیں، علاوہ ازیں لفظ تشیّع (مصدر باب تفعل) کو بار بار ''تَشِیع'' پڑھتے نظر آتے ہیں۔ موصوف مجرور اور مضاف الیہ کے اِعراب سے بھی نابلد ہیں۔ اصل عربی و فارسی مآخذ نہ دیکھنے کی وجہ یہی ہے۔

کچھ دنوں سے سلفی صاحب نے ہماری تحقیق کے جواب میں لکھنا شروع کیا ہوا ہے (اِن شاء اللہ اِس کا مدلل و مسکت جواب دیا جائے گا)، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موقف کو ثابت کرنے میں ناکامی اِن کا مقدر بن چکی ہے۔

سلفی صاحب کی ہرزہ سرائی:

سلفی صاحب کی سرشت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ بجائے معقول و شائستہ گفتگو کے انتہائی گھٹیا اور بے ہودہ باتوں پر اتر آتے ہیں، خود ان کی تحریر ہماری اس بات پر شاہد ہے۔ ان کے کتابچوں کو دیکھا جائے تو انھوں نے جابجا مد مقابل کے لئے نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں، مماتی دیوبندی حضرات نے اِنہیں جوابِ آں غزل کے طور پر، اِن کے کلمات اِنہی کی طرف لوٹائے ہیں، محض ان کی ناشائستہ حرکات کی وجہ سے اِن کے ساتھ ایسا ہوتا ہے گویا گالی دینا اور گالی کھانا ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ شاید یہ دشنام طرازی و ہٹ دھرمی ''فیضِ مظہری'' کا ہی کرشمہ ہے۔

حال ہی میں سلفی صاحب کا ایک رسالہ ''مُتعہ'' کے نام سے منظر عام پر آیا ہے، جس میں موصوف نے القاعدہ کے تکفیری دہشت گرد ''ابو مُصعب زرقاوی'' کے تلبیسی رسالے بنام ''الشیعۃ فرقۃ الغدر والخیانۃ'' سے اپنی تائید میں بہت سے اقتباسات نقل کیے ہیں، یہیں سے القاعدہ اور سلفی صاحب کی قربت کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جیسے القاعدہ رسوائے زمانہ اور دہشت گرد ہے، اسی طرح یہ دونوں رسالے جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ اللہ تعالی امتِ اسلامیہ کو القاعدہ اور ان کے ہم خیالوں کے شر و فتنہ سے محفوظ رکھے۔ اپنے اِسی اخلاق باختہ رسالے میں سلفی صاحب جذبۂ مذموم کے زیرِ اثر اپنے تشدد آمیز لہجے میں ہمارے متعلّق یوں گویا ہوتے ہیں ''ایک معاصر شیعہ، بزعم خود محقّق اور در حقیقت پرلے درجے کے جاہل آفتاب حسین جوادی......'' (مُتعہ، صفحہ ۱۰۱)

ہماری جوابی تحریروں میں سلفی صاحب کے لئے اِس قسم کے الفاظ نہیں ملیں گے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ جب آدمی معقول دلیل و برہان سے عاری ہوتا ہے اور ہر طرح سے عاجز آجاتا ہے تو وہ زبان درازی و جسارتِ عقیم پر اتر آتا ہے۔ ہم اس سلسلے میں اتنا کہیں گے

تمہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

سلفی صاحب کی روشِ تحریر کا کیا کہنا! اِنہوں نے حسب عادت اپنے اس رسالہ میں ہماری کتاب ''السیف البارق'' سے، طحاوی کی اصل عبارت سے غض بصر کرتے ہوئے ہمارے تبصرے کے چند الفاظ اس انداز میں نقل کیے گویا یہ بات ہم اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں، حالانکہ وہ ''الفاظ شرح معانی الآثار للطحاوی، جلد ۲، کتاب النکاح، باب نکاح المتعہ، صفحہ ۱۴ مطبوعہ دیوبند'' اور ابن حزم اندلسی کی ''جمھرۃ انساب العرب، صفحہ ۱۵۹، طبع بیروت'' سے ماخوذ تھے۔ جس کا

سلفی صاحب نے تذکرہ ہی نہیں کیا، وہ ردکیا کرتے۔

یہ بھی ایک انوکھی روشِ تحقیق ہے جس دلیل کا جواب نہ بن پائے اس کا ذکر تک نہ کیا جائے، جیسا کہ موصوف نے اپنے اس کتابچے میں حضرت علی علیہ السلام سے منسوب ایک جھوٹی روایت بحوالہ تہذیب الاحکام واستبصار نقل کی ہے، سارا زور اُسی پر لگایا جبکہ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے، علامہ شیخ طوسیؒ نے اس روایت کے ذیل میں اس پر کڑی تنقید فرمائی ہے، علاوہ برایں اس روایت کا سلسلہ سند یوں ہے فاما مارواہ محمد ابن احمد بن یحیٰی عن ابی الجوزاء عن الحسین بن علوان...... الخ، اس میں پہلا راوی محمد بن احمد بن یحیٰی ضعفاء سے روایت لیتا ہے، (ملاحظہ ہو رجالِ نجاشی، صفحہ ۲۴۵، طبع بمبئی) جبکہ دوسرا راوی حسین بن علوان ہے کہ جو سلفی صاحب کے ہاں کذاب ہے (ملاحظہ ہو موضوعاتِ کبیر للملا علی قاری، صفحہ ۷،۲،۸۸، ۹۰، ۱۳۵،۱۵۷، اور رجالِ نجاشی صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے یہ سنی راوی ہے)

اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب راوی، مخالف مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور اپنے مذہب کی تائید میں روایت بیان کرے تو وہ روایت قبول نہیں کی جاتی۔ لہٰذا اس اصول کے تحت یہ روایت ناقابلِ قبول ہے۔

مزید برآں یہ روایت خود حضرت علی علیہ السلام سے مروی صحیح ترین احادیث سے متصادم ہے، یہی وجہ ہے کہ نکاحِ متعہ کے حرام ہونے پر اہلِ سنت کا اجماع نہیں ہوا، چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے اہل سنت کے مشہور فقیہ ابوبکر بن محمد بن ابراہیم ابن المنذر نیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''الاجماع'' میں نکاحِ متعہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

لم یثبت فیہ اجماع

نکاحِ متعہ کی (حرمت پر) اجماع ثابت نہیں ہے۔

(الاجماع، کتاب المتعہ، صفحہ ۱۰۲، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، آسیاآباد، مکران)

علاوہ ازیں جوازِ نکاحِ متعہ کے متعلق کتبِ اہل سنت سے ہماری نقل کردہ صحیح السند روایات کو سلفی صاحب نے چھوا تک نہیں ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ سلفی صاحب نکاحِ متعہ کے جواز پر ہماری پیش کردہ تمام احادیث کا جواب دیتے، البتہ ان کا مقصد جواب دینا نہیں ہوتا، اور نہ ہی ان کے اندر جواب دینے کی استعداد ہے، یہ کہانی گھڑتے ہیں، پھر سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں، ہمیشہ سے یہی ان کی روش ورفتار رہی ہے۔

تحقیقی میدان میں ہمارا طرۂ امتیاز:

بہرکیف! ہم شیعیانِ حیدرِ کرارؑ کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ ہم تحقیق کے میدان میں خم ٹھونک کر مخالف کے کذب وافتراء کو انصاف پسند قارئین کے سامنے آشکار کرتے ہیں، یہ ایک ایسی ناقابلِ تردید حقیقت ہے جس کا اعتراف بانی دارالعلوم دیوبند محمد قاسم نانوتوی صاحب کیے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ رقم طراز ہیں: ''شیعہ سنوار کر، چھان پھٹک کر عیب لگاتے ہیں......''

(ہدیۃ الشیعہ، صفحہ ۱۲۴، مطبع احمدی، دہلی ۱۳۲۱ھ)

سلفی صاحب کا مذکورہ بالا کتابچہ حال ہی میں لاہور سے سعودی عرب کے اڈریس پر چھپا ہے انہوں نے شاید ''تقیہ'' سے کام لیا ہے۔ اِس کتابچے میں انتہائی غلیظ اور بازاری زبان استعمال کی گئی ہے، ستم بالائے ستم یہ کہ نکاحِ متعہ یا موقت کو زنا قرار دینے کی مذموم کوشش کرتے ہوئے صحابہ کرام کی طرف نعوذ باللہ زنا کی نسبت دی گئی ہے۔ نکاحِ متعہ کے جواز کی صحیح السند روایات صحیح مسلم ودیگر کتب میں مذکور ہیں، موصوف نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، لمبی لمبی کہانیوں پر مشتمل یہ غیر علمی وغیر تحقیقی

کتابچہ گویا ایک ناول ہے۔ اس میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی سراسر مخالفت کی گئی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ان کا سارا زور حضرت ابن عباس کے رجوع عن اباحۃ المتعہ پر رہا، جبکہ صحیح مسلم اور السنن الکبریٰ للنسائی میں صحیح سند کے ساتھ روایت موجود ہے کہ نکاحِ مُتعہ حضرت عمر کے زمانے تک صحابہ کرام کرتے رہے، گویا بقولِ سلفی صاحب، وہ زنا کرتے رہے؟ العیاذ باللہ۔

لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتب کے باب نکاحِ المتعہ کو دیکھا تک نہیں۔ اس سلسلے میں صرف صحیح مسلم کو ہی دیکھ لیا جائے تو نکاحِ مُتعہ سے متعلق شکوک و شبہات رفع ہو جائیں گے، بشرطیکہ آنکھوں پر ناصبیت و تعصب کی پٹی نہ ہو۔ سلفی صاحب نے آنکھوں پر مخصوص طرز کا چشمہ لگا رکھا ہے، جس کی وجہ سے انہیں اپنے عیوب نظر نہیں آتے، ورنہ ان کا مروجہ "حلالہ" جو بلا مبالغہ زِنا ہے، اسی طرح جہاد بالنکاح و جہاد باللواط سے پوری دنیا آشنا ہو چکی ہے۔ الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا چیخ چیخ کر ان کے کالے کرتوں کو بے نقاب کر رہا ہے، شام میں ذلت آمیز شکست سے دو چار تکفیریوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں، ماں، بہن کی عزت وغیرت کو تار تار کرنے والے تکفیری مفتی ہی تو ہیں۔ اجرت پر زِنا سے، محرمات سے نکاح کے بعد مجامعت سے حد کا ساقط ہونا کیا یہ سب شرف، انسانیت پہ کاری ضرب نہیں ہے؟؟؟

تحریک ختم نبوت اور سلفی صاحب کی غلط بیانی:

سلفی صاحب گوہر ریزی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۱۹۵۷ء میں مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے مولانا لعل حسین اختر رحمہ اللہ اور مولانا محمد حیات رحمہ اللہ جیسے حضرات کو چوکیرہ ضلع سرگودھا میں امام پاکستان علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ کے پاس بھیجا تھا اور علامہ چوکیروی رحمہ اللہ سے کہا کہ یہ علماء آپ کے طلبہ کو فتنہ مرزائیت کے خلاف تیاری کروائیں گے اور آپ ان علماء کرام کو ردِ شیعیت پر تیاری کروائیں۔

اس واقعہ کے راوی اور عینی گواہ علامہ چوکیروی رحمہ اللہ کے فرزند مولانا سید قاسم شاہ صاحب بقیدِ حیات ہیں۔ ان سے تحقیق کی جا سکتی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عالمی مجلس ختم نبوت کے اکابرین کو مرزائیت کے ساتھ ساتھ فتنہ رفض کی سرکوبی کا کتنا درد اور احساس تھا۔ ختم نبوت کے تاج و تخت کا تحفظ بھی ہم نے کرنا ہے اور ان شاء اللہ صحابہؓ کے جوتے اپنے رخساروں پر بھی ہم ہی ملیں گے۔

(ماہنامہ حق چار یار، جولائی ۲۰۱۳ء، صفحہ ۳۸)

تحریک ختم نبوت میں مقتدر شیعہ علماء اور زعماء کا تاریخ ساز کردار روزِ روشن کی طرح عیاں ہے، جب پاکستان میں سیاسی، ثقافتی اور دیگر معاشرتی معاملات میں قادیانیوں کی مداخلت بڑھی اور انہوں نے پاکستانی سیاست میں اپنی سامراج پسندانہ سرگرمیاں تیز کر دیں تو شیعہ علماء نے اس فتنے کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنے کا فیصلہ کیا۔

دراصل قادیانیت کا فتنہ سلفی صاحب کے گھر ہی سے پیدا ہوا، مرزا قادیانی فقہ میں امام ابو حنیفہ کا مُقلد تھا، اگر مرزا کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا "نبوت" تک پہنچنا، سلفی صاحب کے مکتبِ فکر میں پائے جانے والے چور دروازوں ہی سے ممکن ہوا۔ ابتداء میں ناصبی، پھر مجدد، پھر نبوت تک جا پہنچا۔ اگر علماءِ شیعہ اس فتنہ کی سرکوبی نہ کرتے تو سلفی صاحب کے اکابر سے یہ فتنہ کبھی ختم نہ ہوتا۔ ہمارے ہاں عقیدہ امامت ہی ختم نبوت کی ایسی ناقابلِ رد دلیل ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے "نبوت کا دعویٰ" نہیں کیا جا سکتا۔

سلفی صاحب کے اکابر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی آسکتا ہے، ایسے عقیدے کو دیکھ کر مرزا اور اس کے پیروکاروں نے اجراءِ نبوت کو جائز قرار دیا ہے۔ محض مسئلہ امامت کو نہ سمجھنے کی بدولت سلفی صاحب کے مکتب ہی سے اس فتنہ نے پر و بال نکالے۔ اس وجہ سے بنیادی ذمہ داری اسی مکتب کی بنتی تھی کہ وہ ان مرزائیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں، یہ انہی سے نکلے تھے۔

چونکہ مسئلہ ناموسِ رسالت کا تھا، بایں وجہ تحریکِ ختم نبوت میں علماءِ شیعہ پیش پیش رہے۔ اس تحریک میں پہلا نام علامہ سید علی حائری رحمہ اللہ تعالیٰ کا آتا ہے، جنھوں نے اپنے علمی دلائل و براہین کے ذریعے مرزائیت کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ مرزا قادیانی نے اپنی متعدّد کتابوں میں سرکار علامہ موصوف کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں ضمیمہ اعجاز احمدی کے ٹائٹل پر لکھا ہے کہ مولوی حائری صاحب شیعہ وغیرہ بھی مخاطب ہیں جن کا نام رسالے میں مفصل درج ہے۔

شیعہ علماء اور دوسرے قادیانیوں سے متعدّد مناظرے کیے جن میں ایک مناظرہ مہت پور ضلع ہوشیار پور بھی ہے جو ستمبر ۱۹۳۶ء بمطابق رجب المرجب ۱۳۵۵ھ میں مولانا مرزا یوسف حسین اور ابوالعطاء جالندھری مرزائی کے مابین تحریری مناظرہ ہوا۔ جس میں مرزائیوں کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔

اس مناظرہ کی روئیداد ''تحریری مناظرہ مہت پور'' کے نام سے، خود قادیانیوں نے مکتبہ الفرقان ربوہ سے دوسری مرتبہ ۱۹۷۲ء میں شائع کی ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد تحریکِ ختم نبوت میں علامہ حافظ کفایت حسین رحمہ اللہ نائب امیر تھے جبکہ مولانا ابوالحسنات احمد قادری امیر تھے، ان کی وفات کے بعد مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری (آپ گیلانی ہیں) نے منصبِ امارت سنبھالا، تو حافظ صاحب موصوف نائب امیر رہے، مشہور شیعہ رہنما جناب مظفر علی شمسی صاحب رحمہ اللہ اور مولانا سید اظہر حسن زیدی رحمہ اللہ مرکزی رکن رہے۔ علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم کی وفات کے بعد جناب مظفر علی شمسی رحمہ اللہ نائب امیر منتخب ہوئے، جبکہ عطاء اللہ شاہ گیلانی المعروف بخاری کے بعد مولانا محمد یوسف بنوری امیر بنے۔ زعیم ملت آغا مرتضیٰ پویا صاحب ۱۹۷۹ء سے لے کر ۱۹۸۶ء تک تحریک ختم نبوت میں شامل رہے۔ بعد میں یہ تحریک تکفیری عناصر کے ہاتھوں یرغمال ہوگئی، اِس بناء پر سنجیدہ علماء نے اس تحریک سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

اب تو تحریک ختم نبوت مخصوص تکفیری ٹولے کے ہاتھ ہے، جس نے اسے اپنا ذریعہٴ معاش بنایا ہوا ہے۔ الغرض شیعہ اکابرین کی تحریکِ ختم نبوت کے سلسلے میں انتھک محنتیں دیکھنے کے لئے ملاحظہ ہو: ہفت روزہ ''لولاک'' ۲۴ مارچ ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۹۔ ۲۰ زیرِعنوان ''مجلسِ تحفظِ ختم نبوت پاکستان، سرگرمیاں، بیانات، قراردادیں''۔

نیز ۹ دسمبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۲۴ زیرِعنوان ''۲۵ ویں سالانہ کل پاکستان ختم نبوت کانفرنس''۔ ان کے علاوہ ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور اور ہفت روزہ ''درِ نجف'' سیالکوٹ کی فائلیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے سہ ماہی ''نورِ معرفت'' اسلام آباد، شمارہ ا، بابت جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء میں ہمارا مضمون بعنوان ''تحریک ختم نبوت میں شیعہ علماء وزعماء کا تاریخ ساز کردار'' دیکھا جاسکتا ہے۔

رہا سلفی صاحب کا یہ کہنا کہ مولانا محمد علی جالندھری نے احمد شاہ چوکیروی سے کہا ''آپ ان علماء کرام کو ردِ شیعیت پر تیاری کروائیں'' یہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ انہوں نے ایسا کہا، نہ ہی اِن دو حضرات نے اِن سے درس لیا۔ بلکہ اِن دونوں کو ردِقادیانیت کے لئے ہی بھیجا گیا تھا کہ وہاں جا کر طلبہ کو مرزائیت سے روشناس کرائیں۔ جیسا کہ چوکیروی صاحب کے سوانح نگار ملک عبدالقیوم اعوان صاف لفظوں میں تحریر کرتے ہیں ''حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ فاتحِ قادیان اور حضرت مولانا لال حسین اخترؒ صاحب کو بھی چوکیرہ اسی کورس میں خصوصی طور پر بھیجا تاکہ وہ دارالمبلغین کے شرکاء کو کورس کروائیں''

(سوانح حیات حضرت مولانا سید احمد شاہ بخاری صفحہ ۱۵۳، ناشر القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، نوشہرہ)

اس سے عیاں ہوتا ہے کہ اولاً: سلفی صاحب کی کہانی جھوٹی ہے ثانیاً: اگر اسے درست مان بھی لیا جائے تو اس میں کونسی قباحت ہے، ہر مسلک دوسرے کا رد کرتا رہتا ہے، بریلوی مسلک نے دیوبندی مسلک کا رد کیا ہے، سلفیوں نے اِن دونوں کا رد کیا ہے، پھر اِن دونے اُن کا رد کیا...... یہ سلسلہ تاحال جاری ہے اور جاری رہے گا۔ سلفی صاحب کی کہانی کے پس منظر میں ایک اور خوف پنہاں ہے، وہ خوف ''مکتبِ اہلِ بیت'' کا تیزی سے پھیلنا ہے، یہ خوف اِن کے اکابر کو بھی لاحق تھا، جس کا انہوں نے جابجا برملا اظہار بھی کیا ہے۔ جب دلیل نہیں بن پاتی تو تکفیری خدامی حضرات بے بنیاد کہانیوں کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ اِن کا کھلا تعصب اور صریح تحکم ہے۔

مولانا احمد علی لاہوری اور احمد شاہ چوکیروی صاحب کے نظریہ سے ''خدامیوں'' کا انحراف:

تکفیری خدامیوں کا مُسلمانوں کو کافر قرار دینا اور امت اسلامیہ کے خلاف نفرت وفتنہ انگیزی کی آگ بھڑکانا کہ جس کے تصور سے بھی انسان کانپ جاتا ہے، انکی عادت بن چکا ہے، جو یقینی طور پر اِن کے اِسلام دشمن ہونے کی دلیل ہے۔ جبکہ اِن کا یہ نظریہ اِن کے اپنے ممدوح اکابر کے سراسر خلاف ہے۔ آئیے اس سلسلے میں ہم صرف چند ایک شواہد پیش کیے دیتے ہیں تاکہ حقیقتِ حال پورے طور پر قارئینِ کرام کے ذہن نشین ہوسکے، اور ''تحفظِ صحابہؓ'' کے نام پر اِن کی متعصبانہ کارروائیوں کا پردہ چاک ہوجائے۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ کی خوشنودی کے لئے امت کو تباہی وبربادی کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا احمد علی لاہوری اور سید احمد شاہ چوکیروی صاحب ''شیعہ'' کی تکفیر نہیں کرتے جبکہ خداميوں کا جارحانہ رویہ یکسر اِن کے خلاف ہے۔

ا) چناں چہ خدامیوں کے ''امام پاکستان'' احمد شاہ چوکیروی اپنے پندرہ روزہ رسالہ ''الفاروق'' چوکیرہ بابت ۱۵ ستمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۲ پر رقم طراز ہیں ''فصل الخطاب خاتم المحدثین علامہ حسین بن محمد تقی، نوری طبرسی کی مشہور ومعروف تالیف ہے، اور علی بن طاؤس جن کا لقب رضی الدین ہے، مُسلمانوں کے ایک فرقہ کے نزدیک بڑے معتبر ہیں''

ب) نیز لکھتے ہیں ''مُسلمانوں کی جس جماعت میں اس نمازِ تراویح کو بدعتِ عمر کہہ کر ذلیل کیا جاتا ہے، اس میں حفاظِ کرام اس کثرت سے ہرگز نہیں پائے جاتے...... الخ'' (ملاحظہ ہو: پندرہ روزہ ''الفاروق'' چوکیرہ یکم مئی ۱۹۵۷ء، صفحہ ۲۳)

ج) ''تمام برادرانِ اسلام شیعہ وسنی کی خدمت میں گزارش ہے کہ قربانی کے چمڑے اور کھالیں مدرسہ ہذا (دار الہدیٰ چوکیرہ) میں پہنچائیں''

(پندرہ روزہ ''الفاروق'' یکم جولائی ۱۹۵۷ء، صفحہ ۳)

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ سلفی صاحب کے ''امام پاکستان'' سید احمد شاہ صاحب کے مدرسہ کے معاونین میں

شیعہ بھی شامل تھے۔ شاہ صاحب نے اہلِ تشیع سے مدرسہ کے لئے امدادکی اپیل کی، گویا طلبہ مدرسہ ہذا کے قیام وطعام میں شیعہ کا حصہ شامل ہے، اب تکفیری حضرات ''شاہ صاحب'' پر کیا فتویٰ لگائیں گے!۔

د مزید برآں موصوف اپنی کتاب ''تحقیق فدک'' مطبوعہ ثنائی پریس سرگودھا طبع اول ۱۹۵۵ء کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں ''بندہ پُرتقصیر احمد شاہ خادم مدرسہ عربیہ دارالھدیٰ چوکیرہ، ضلع سرگودھا مغربی پاکستان ایک مقالہ پیش کرتا ہے جس میں مسئلہ فدک کے بارے اپنے معلومات کو جمع کیا ہے۔ اور اہلِ اسلام کے اندر جو ایک پرانا تنازعہ ہے، اس کے صاف کرنے کی کوشش کی ہے۔'' خدامی حضرات تقیہ کا معنی جھوٹ کرتے ہیں جب کہ دنیائے عالم کی کسی لغت میں بھی تقیہ کا معنی جھوٹ نہیں ہے۔ لیکن محض اسلام دشمنی میں لفظ تقیہ کا معنی اپنی طرف سے جھوٹ کرتے ہیں جو سراسر ان کی جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ ان کے اپنے امام پاکستان مولانا احمد شاہ چوکیروی صاحب کا ایک مضمون بعنوان ''مسئلہ تقیہ کا بیان'' پندرہ روزہ ''الفاروق'' چوکیرہ یکم مئی ۱۹۵۸ء صفحہ ۲ پر بڑے واشگاف الفاظ میں تقیہ کے جواز کا ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں:

صداقت آف گوجرہ بابت ۲۰، اپریل ۱۹۵۸ء صفحہ ۷ پر مولوی اسماعیل صاحب نے جوازِ تقیہ پر ایک چھوٹا سا مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے جو کسی سائل کے جواب میں معلوم ہوتا ہے ......اس بات کے تسلیم کرنے میں ادارہ الفاروق کو ذرہ بھر تامل نہیں ہے کہ فتح الباری اور فیض الباری کی عبارتیں نقل کر کے تقیہ کا جائز ہونا ثابت کیا ہے...... ''الفاروق'' کے صفحات شاہد ہیں کہ تقیہ میں شیعہ وسنی اختلاف نہیں ہے۔ ہم نے کئی دفعہ واضح کیا ہے کہ موت کا ڈر ہو یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا ڈر ہو تو آدمی کے لیے تقیہ جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص تمہیں کہتا ہے کہ یہ کام اس طرح پر کرو حالانکہ وہ کام تمہارے نزدیک اس طرح پر جائز نہیں ہے یا کہتا ہے کہ زبان سے یہ الفاظ نکالو۔ حالانکہ وہ الفاظ تمہارے مذہب میں حرام ہیں تو اگر یقین ہو کہ تعمیل نہ کرنے کی صورت میں یہ ظالم جان سے مار ڈالے گا یا بازو کاٹ دے گا تو تم بے شک وہ کلماتِ کفر بول سکتے ہو اور وہ ناجائز کام کر سکتے ہو بشرطیکہ کسی کے قتل کا حکم نہ دے۔

مولوی صاحب نے اپنا ٹائم بھی ضائع کیا اور صداقت پڑھنے والوں کے اوقات کا بھی ستیاناس کر دیا۔ ایک ایسی بات کو لے کر بیٹھ گئے (وہ بات جوازِ تقیہ کی ہے) جس کا محل نزاع سے ذرہ بھر تعلق نہیں ہے......الخ''

قارئین کرام! احمد شاہ صاحب نے اس بات کا برملا اعتراف کر لیا ہے کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب نے تقیہ کا جائز ہونا سنی کتب مثل فتح الباری اور فیض الباری وغیرہ سے ثابت کیا ہے اور یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ تقیہ کے جائز ہونے میں شیعہ وسنی اختلاف نہیں ہے۔ دونوں کے نزدیک تقیہ جائز ہے۔ اب جو ناصبی یہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ شیعہ تقیہ کرتے ہیں یعنی بقول ان کے شیعہ جھوٹ بولتے ہیں جیسا کہ خود سلفی صاحب نے ماہنامہ ''حق چاریار'' جولائی ۲۰۱۴ء صفحہ ۵۰ پر تقیہ کا ترجمہ جھوٹ بولنا کیا ہے تو گویا کہ وہ اپنے امام پاکستان کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق سنی مذہب میں بھی جھوٹ بولنا جائز قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۲ پر سلفی صاحب کے ''حضرت اقدس'' کے ممدوح ''مفسر قرآن، حکیم ماہر حکمت ولی اللّٰھی، امام طریقت'' حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی تقریظ موجود ہے جس میں موصوف لکھتے ہیں ''اگر شیعہ حضرات اس مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ متفق ہو جائیں تو باقی مسائل میں بھی ایک دوسرے کے قریب ہو سکتے ہیں اور

مُسلمانوں میں شیعہ اور سنی دونوں متفق اور متحد ہو جائیں تو حمایتِ اسلام کے لئے یہ ایک بے نظیر طاقت بن سکتی ہے"۔

اِن دیوبند اکابر کی عبارات "تکفیری" دہشت گردوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ دونوں شخصیات شیعہ کتب و نظریات سے بالکل جاہل و ناواقف تھے؟...... "خدامی" حضرات کے نزدیک شائد عالم وہی ہیں جنھوں نے تعصب وعناد کی بنیاد پر مُسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کی اور وحدت و یگانگت کو پارہ پارہ کر کے امتِ اسلامیہ میں فتنہ و فساد دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا بیج بویا جس کا خمیازہ امت آج تک بھگت رہی ہے!

کاش یہ لوگ اپنے اِن اکابر کے الفاظ "مُسلمانوں کے ایک فرقہ کے نزدیک......" اور "مُسلمانوں میں شیعہ اور سنی دونوں متفق اور متحد ہو جائیں تو حمایت اسلام کے لئے یہ ایک بے نظیر طاقت بن سکتی ہے" پر غور و فکر ہی کر لیتے اور ان کی اِس نصیحت پر عمل پیرا ہوتے تو خدامی حضرات دجل و فریب اور کذب و افتراء کے ذریعے مُسلمانوں کی تکفیر کے درپے نہ ہوتے۔

قاضی مظہر حسین کا بیان

سلفی صاحب کے "حضرت اقدس" قاضی مظہر حسین صاحب اپنے "خدامیوں" کو بایں الفاظ مُتنبّہ کرتے ہیں:

"ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت (مولانا احمد علی) لاہوریؒ اور دیگر اکابر کے ارشادات کی روشنی میں خدام کے لئے اپنی سنی تحریک کے اہم مقاصد کا سمجھنا زیادہ آسان ہو جائے گا"

(حضرت لاہوریؒ فتنوں کے تعاقب میں، صفحہ ۷ ناشر تحریک خدام اہلسنّت چکوال)

قابلِ توجہ یہ امر ہے کہ خود قاضی صاحب یا ان کی جماعت خدام اہل سنت نے حضرت لاہوری کے محولہ بالا پیغام پر کس حد تک عمل کیا ہے۔

تعصّب معاندانہ

اسلام میں جب اموی عہد کا آغاز ہوا ہے اسی وقت سے اپنے مخالفین کی تکفیر کے ساتھ ساتھ ان کو واجب القتل قرار دے کر تہ تیغ کرنے کا رواج عام رہا ہے۔ اموی عہد ملوکیت میں جلیل القدر صحابہ کرام و تابعین اور حضرت علی علیہ السلام کا اسم گرامی لینا یا کسی مولود کا نام رکھنا نا قابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا علاوہ بریں خاندان اہل بیتؑ سے عقیدت و محبّت رکھنے والے علماء و مصلحاء پر تشدد و ظلم کی ابتداء کے ساتھ انتہاء بھی ہوئی۔ حتیٰ کہ حسن بصری کو حجاج سے چھپ کر زندگی گزرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ عباسی ملوکیت مخالفین کے لئے اس بھی زیادہ ضرر رساں ثابت ہوئی۔ ابو جعفر منصور کے دربار میں جلاد اور مقتل کی چٹائی ہر وقت تیار ہوتے تھے۔ فاطمی سادات تو بالخصوص ان دونوں ادوار میں نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی ان کے عقید تمندوں کی زندگیاں بھی خطرے میں رہتی تھیں۔ حتیٰ کہ ان ظالم حکمرانوں کی یہ پُر تشدد پالیسی ان کے ہمنوا خوشامدی علماء کی وساطت سے غیر اسلامی مذہب کا حصّہ بنا دی گئی۔ اموی اور عباسی دور میں خلفاء اپنے آپ کو الٰہی نمائندہ کہلاتے اور مخالفین کو کافر و منافق قرار دے کر تلوار کے گھاٹ اتارتے تھے مندرجہ بالا عنوانات کی تصدیق مستند تاریخ اسلام سے بانگ دُہل ہو رہی ہے۔ لیکن جو لوگ ان حکمرانوں کے بنے ہوئے دام ہمرنگ میں پھنسے ہوئے ہیں اور حقائق تک رسائی کی کوشش نہیں کرتے، وہ انہی کے تشکیل کردہ مذہب کے نظریات سے چمٹے ہوئے سچائی کا منہ چڑھا رہے ہیں۔

سلفی صاحب کا صریح جھوٹ

مضمون میں دیگر اکاذیب کے انبار تو لگائے ہی ہیں شیعہ ادیب اعظم مولانا ظفر حسن امروہویؒ کے رسالہ "عقائد الشیعہ" کے بارے میں کہنا کہ "شیعی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے"۔ اتنا بڑا کذب و افتراء اور تدلیس و تلبیس ہے کہ جس کے سامنے ابلیس کی بھی گردن خم ہو جائے محض دجل و فریب سے کام لے تحقیق کرنا در حقیقت وہ تحقیق نہیں بلکہ تشکیک ہے۔ اکثر کیا یہ تو بعض مدارس شیعہ میں بھی نہیں پڑھائی جاتی ہے۔ جناب کے پشت پناہ دجالی اداروں و خفیہ ایجنسیوں کا نظریہ ہے کہ اتنا جھوٹ بولو کہ سننے اور پڑھنے والے اسے سچ باور کرنے لگیں اس لئے "سلفی" بھی اپنے آقاؤں کے نظریہ پر عمل کرتے ہوئے جھوٹ کا سہارا لے کر پروپیگنڈہ کی مشین چلا رہے ہیں اگر جرأت ہے تو شیعہ عقائد کی بنیادی کتب سے ثابت کیجیے۔

سلفی صاحب کا دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ "بعض شیعہ علماء نے بھی ہلکے پھلکے احتجاج کے ساتھ ہمارے دیئے گئے حوالہ جات کے متعلق تشفی چاہی......"

یہ ان کی محض خام خیالی اور طفل تسلیوں کے سوا کچھ نہیں، آخر وہ کون سے شیعہ علماء ہیں کہ جنھوں نے اِن کا مضمون پڑھ کر ان کے نقل کردہ حوالہ جات کی تشفی چاہی! اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے ایسا یقیناً ناممکن ہے کہ کسی شیعہ عالم نے ان سے اس غیر تحقیقی و جذباتی تحریر کے متعلق استفسار کیا ہو۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب نے سلفی صاحب کی غلط بیانیوں پر گرفت کرتے ہوئے اِن سے جواب طلب کیا ہو۔ یہ الگ بات کہ ہماری تحقیقاتِ انیقہ کو پڑھ کر بعض سنجیدہ دیوبندی علماء نے ہمیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر کسی "عالم" نے ان کے مضمون کے حوالے سے ماہنامہ "الشریعہ" کی انتظامیہ سے رابطہ کیا بھی ہو تو محض اِس لئے کہ اِس مضمون میں تحقیق کے اصولوں کو بڑی بے دردی سے پامال کر کے سنگین غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، جیسا کہ خود ہم نے سلفی صاحب کی بد دیانتیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ جب سلفی صاحب کا "الشریعہ" میں دیا گیا مضمون ہی غیر تسلی بخش تھا تو یہ "تشفی" کیونکر دے سکتے ہیں! بقول اِن کے بریلوی، اہل حدیث اور مماتی دیوبندی علماء نے اِن کی اُس تحریر کو "غیرتِ دینی" کا مظہر قرار دیا ہے۔ یہ بھی اِن کا صریح جھوٹ ہے، کیونکہ مذکورہ مکاتب فکر واضح الفاظ میں اِن کی تکفیر کرتے ہیں، اِن کی اقتداء میں نماز ناجائز قرار دیتے ہیں۔ یہ مکاتبِ فکر سلفی صاحب کو ان کے ایسے ہی "غیرتِ دینی" کے مظہر مضامین کی بدولت انہیں قسم قسم کے "عظیم" القابات سے نوازتے رہتے ہیں۔ اِس سلسلے میں کثیر تعداد میں لٹریچر ہمارے ذخیرہ کتب میں موجود ہے، اگر ضرورت پڑی تو اسے بھی منظر عام پر لایا جائے گا۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ سطحی ذہن کے تکفیری حضرات نے ان کے اس مضمون کو "غیرتِ دینی" کا مظہر قرار دیا ہو، ورنہ ان کے ہی ہم مسلک سنجیدہ علماء اِن کے تحریروں کو شر انگیز اور ناپسندیدہ قرار دے چکے ہیں۔

ملی تحریکات میں شیعہ کی شمولیت

آئین پاکستان میں شامل بائیس نکات ترتیب دینے میں تمام اسلامی مکاتب فکر دیوبندی، بریلوی، شیعہ، اہل حدیث وغیرہ شامل تھے۔ پاکستان کے اسلامی آئین کی تیاری کے لئے بائیس نکات کا یہ مجموعہ ترتیب دینے میں شامل تمام مکاتب فکر بحیثیت مسلمان شامل کیے گئے تھے اور شامل شدہ تمام گروہوں نے ایک دوسرے کو مسلمان سمجھا ہوا تھا، یا باہم دگر کافر سمجھ کر پھر

ان کے ساتھ مل بیٹھ کر متفقہ اسلامی آئین کی تیاری کے لئے اپنے اصول وضع کر رہے تھے؟

جہاں تک نظریاتی اختلاف کے باجود بعد میں ہمارے اسلاف کی طرف سے علمی تعاقب کی بات ہے، تو اس سلسلے میں آپ کو یاد ہونا چاہیئے کہ بریلوی اہل سنت ہمیشہ دیوبندیوں کا تعاقب کرتے رہے ہیں اور شدید ترین تعاقب کیا ہے۔ اس تعاقب کی شدت اور زور سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ یہ تعاقب اب بھی جاری ہے۔ دیوبندی، بریلوی اہل سنت کے خلاف اپنے نظریات کا اظہار کرتے رہے ہیں اور اب تک کر رہے ہیں۔ تمام دیگر مکاتب فکر نے غیر مقلدوں کا تعاقب کیا اور انہوں نے اپنی بساط کے مطابق دیگر مکاتب کا تعاقب کیا، اور اب تک ایک دوسرے کے تعاقب میں اندھا دھند دوڑ لگائے ہوئے ہیں۔ اس دوڑ کی باگ دشمنانِ اسلام امریکہ و اسرائیل اور ان کی آلہ کار ایجنسیوں کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا اس تعاقب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بحر العلوم کا دیگر اسلامی فرقوں کی تکفیر نہ کرنا

عبدالشکور لکھنوی کا کذب و افتراء

مولانا مفتی محمد زاہد صاحب نے اپنے مضمون میں بحر العلوم کا نظریہ بتایا تھا کہ اگرچہ وہ شیعہ کے مخالف رہے ہیں لیکن مدلل انداز سے شیعہ کی عدم تکفیر کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ موصوف بعنوان "برصغیر میں برداشت کا عنصر، دو وضاحتیں" کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "علامہ بحر العلوم، ملا نظام دین بانی درس نظامی کے صاحبزادے ہیں لکھنؤ میں رہتے تھے لیکن اہل تشیع کے ساتھ اختلاف بلکہ جھگڑے اور جان کے خطرے کی وجہ سے انہیں لکھنؤ چھوڑنا پڑا، ان کے لقب بحر العلوم ہی سے ان کے علمی مرتبے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان کی دیگر تصانیف کے علاوہ اصول فقہ پر ایک معروف کتاب ہے "فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت" اس میں وہ عموماً اہل تشیع کا تذکرہ سخت الفاظ میں کرتے ہیں لیکن جہاں ان کی تکفیر کی بحث آئی ہے وہاں انہوں نے عدم تکفیر کو مدلل انداز سے ترجیح دی ہے"۔

(ماہنامہ الشریعہ شمارہ ۱۰، اکتوبر ۲۰۱۳ء)

اس کے جواب میں سلفی صاحب یوں گوہر افشانی کرتے ہیں کہ "علامہ بحر العلوم نے شیعہ مفسر علامہ ابو علی طبرسی کی تفسیر "مجمع البیان" پڑھ کر ان کے عقیدہ تحریف قرآن پر غور کیا تو صاف الفاظ میں شیعوں کی تکفیر کی، ملاحظہ ہو۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صفحہ ۴۱۷)

اور امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی نے "فقہی نظر سے مختتم فیصلہ" کے زیر عنوان علامہ بحر العلوم کے اس فتویٰ تکفیر کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ میں نے بھی کسی زمانہ میں شیعوں کے ساتھ مناکحت کا جواز لکھا تھا لیکن جب کتب شیعہ پر عبور ہوا تو اس فتوے سے رجوع کر لیا۔ جیسا کہ علامہ بحر العلوم نے رجوع فرمایا تھا۔

(ملاحظہ ہو: "النجم" لکھنؤ شوال ۱۳۴۵ھ)

مزید تفصیل (علامہ عبدالشکور لکھنوی، حیات وخدمات صفحہ ۶۶۸) مصنفہ پروفیسر محمد عبدالحی صاحب

Registered No. (G) H.C/722

جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا کا

اراکین سلطان المدارس واراکین تحریک تحفظ تعلیماتِ محمدؐ وآل محمدؑ سرگودھا پاکستان

پرنسپل جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا

موبائل نمبر: 0301-6702646
فون: 048-3021536